جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ

ستمبر ۱۹۹۵ء

بہترین دن، بہترین مہینے، بہترین اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا بہترین دن کون سا ہے۔ بہترین مہینہ کون سا ہے اور بہترین عمل کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا بہترین دن تو جمعہ کا دن ہے اور بہترین مہینہ رمضان کا مہینہ ہے اور بہترین عمل نماز پنجگانہ کو پابندی کے ساتھ اپنے وقت پر ادا کرنا۔

تین دن گزرنے کے بعد حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس شخص کے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر مشرق و مغرب کے تمام علماء حکماء اور فقہاء سے بھی یہ سوال کیا جاتا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ دے سکتا، لیکن میں اتنا عرض کرتا ہوں کہ تیرا بہترین عمل وہ ہے جسے اللہ قبول کرلے، بہترین مہینہ وہ ہے جس میں تو اللہ کی جناب میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیے صدق دل سے خالص توبہ کرلے اور بہترین دن وہ ہے جبکہ اللہ کے نزدیک اس حال میں جائے کہ تیرا دل نورِ ایمان سے منوّر ہوچکا ہو۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد مترجم، ص: ۶۲، ۶۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

گزشتہ ماہ ملک گیر سطح پر چینی ذخیرہ اندوزوں کے خلاف ایف آئی اے نے کارروائی کی مختلف مقامات کے ذخائر پر چھاپوں کے نتیجہ میں حین التحریر تیرہ لاکھ چینی کی بوریاں قبضائی جا چکی ہیں۔ اگر جرأت اور دیانت داری سے کام لیتے ہوئے اس کارروائی کو جاری رکھا جا سکا اور اس دوران کوئی سودے بازی نہ ہوئی تو گمان غالب ہے کہ اس سے کہیں زیادہ تعداد میں چینی کی بوریاں برآمد ہوں گی اور اُس کے نتیجہ میں چینی کی قیمت میں غیر معمولی اضافہ کم ہو کر اعتدال پر آجائے گا۔ مزید برآں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ ان کارروائیوں کا حلقہ وسیع کیا جائے اور دیگر اجناس چاول گندم کیمیکلز چنا، دالیں نمک وغیرہ کے علاوہ انسانی اور زرعی دواؤں کھادوں اور مختلف خفیہ ذخائر کی کھوج لگا کر ان پر بھی چھاپے مارے جائیں تو برآمدگیوں کے اعداد و شمار حیران کُن حد تک ظاہر ہوں گے جس سے واضح ہو جائے گا کہ ملک میں گرانی کے بڑے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ذخیرہ اندوزی ہے۔ ذخیرہ اندوزوں کے خلاف کارروائی صرف برآمدگی کی حد تک نہ ہونی چاہیے بلکہ سرِعام اُن کو ایسی عبرت ناک سزائیں ملنی چاہییں کہ جو باقی ماندہ افراد کے لیے عبرت ہوں، شوگر ڈیلرز ایسوسی ایشن نے بڑی بے حیائی اور دیدہ دلیری سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ ملک میں چینی سٹاک کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے اور اگر چھاپوں کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ملک گیر ہڑتال کی جائے گی۔ کسی نے خُوب کہا "بے حیا باش و ہر چہ خواہی کُن" یعنی بے حیا بن جا پھر جو چاہے کر

غریب اور سفید پوش طبقہ کو گرانی نے جس مشکل سے دوچار کر رکھا ہے، اس بدمست ذخیرہ اندوز طبقہ کو اس کا کسی درجہ میں بھی احساس نہیں، ملک میں چینی ذخیرہ کرنے پر اگر پابندی نہ بھی ہو تب بھی کچھ نہ کچھ انسانی اور اخلاقی قدروں کی پاسداری ہی کر لینی چاہیے تھی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اَلْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ

"تاجر کو رزق دیا جاتا ہے اور (گرانی کی خاطر) ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا جو شخص مسلمانوں پر اُن کی خوراک ذخیرہ کریگا اللہ تعالیٰ اس کو جذام (کوڑھ) اور افلاس میں مبتلا فرمادیں گے یعنی اس پر جسمانی اور مالی دونوں طرح کی بربادی آئے گی۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا کہ جو شخص چالیس روز ذخیرہ رکھے (یعنی ذخیرہ اندوزی اس کی عادت ہو) اور اسکا ارادہ ہو کہ مہنگائی ہو جائے تو وہ اللہ سے بری ہے اور اللہ اس سے بری ہے۔

ایک جگہ یُوں ارشاد فرمایا ذخیرہ اندوز بہت ہی بُرا شخص ہے اگر بھاؤ گرتا ہے تو ناخوش ہو جاتا ہے اور بھاؤ چڑھتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔ مشکوٰۃ ص ۲۵۱ ج ۱

مذکورہ بالا احادیث میں جس قدر شدید انداز میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کا اظہار فرماتے ہوئے ذخیرہ اندوزی کی مذمت فرمائی ہے بدسے بدتر مسلمان کا دل ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ خواہ ملک میں ذخیرہ اندوزی پر پابندی ہو یا نہ ہو۔ ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ گرانی کے اسباب میں ایک سبب یہ ہے کہ حکومت نے ممبرانِ اسمبلی کو خوش رکھنے کے لیے بے دریغ چینی اور دیگر اجناس کے برآمدی پرمٹ جاری کیے ہیں جبکہ پرمٹ جاری کرنے سے پہلے ملکی ضروریات کو پیشِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے تاکہ گرانی اور اشیاء کی قلت نہ ہونے پائے بعدازاں زائد بچ رہنے والی اشیاء کو ضرور برآمد کیا جائے، کیونکہ یہ زرمبادلہ کے حصول کا بڑا ذریعہ ہے ـــــ اگر یہ بات دُرست ہے تو حکومت فوراً اپنی برآمدی پرمٹ پالیسی پر نظرثانی کرتے ہوئے اس کو بند کر دے ورنہ کم از کم محدود تو کر ہی دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام پر عمل کرنے اور ملک و قوم کے لیے خیر خواہی کی توفیق عطا فرمائے آمین

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر انوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں مجلسِ ذکر منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است　　خم و خمخانہ با مہرو نشان است

کیسٹ نمبر ۴ سائیڈ اے ۲ر اکتوبر ۱۹۸۱ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّد وّ آلہٖ واصحابہ اجمعین

امابعد! ایک صحابیہ ہیں حضرت ام علاء انصاریہ رضی اللہ عنہا وہ فرماتی ہیں کہ جب مہاجرین مدینہ منوّرہ میں تشریف لائے تو مہاجرین کو تقسیم کر دیا گیا کہ کوئی انصاری کسی کو کوئی کسی کو رکھتا رہا اپنے پاس تو انصار نے بے حد مدد کی کسی نے کسی کو رکھا کسی نے کسی کو رکھا۔ اس طرح ہوتا رہا۔ حضرت ام علاء جو ہیں یہ فرماتی ہیں کہ ہمارے حصّے میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ آئے، حضرت عثمان بن مظعون (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بھائی بھی ہیں رضاعی، دُودھ شریک بھائی بھی تھے۔ ایسے ہُوا کہ اُن کی وفات ہو گئی جب وفات ہُوئی، تو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطّلاع دی گئی، آپ تشریف لائے اور ان کو چُوما بھی ہے، اُن کی زبان سے ایک جُملہ نکلا کہ مَیں یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اکرام بخشا ہے۔ شھادتی علیك لقد اکرمك اللہ

مَیں یہ گواہی دیتی ہوں کہ اللہ نے آپ کو اپنے یہاں اکرام اور اعزاز بخشا ہے جناب رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلم نے ایسی بات کہنے سے منع فرما دیا کہ ایسی بات نہ کہو شہادتی علیکَ کا مطلب تو یہ ہے کہ مَیں گواہی دیتی ہوں اس بات کی اور گواہی دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے پُورا علم ہو جس چیز کا پُورا پتہ ہو علم ہو آدمی اس کی گواہی دے سکتا ہے ویسے گواہی کا لفظ نہیں استعمال ہو سکتا، کیونکہ گواہی کے معنی ہیں مَیں نے دیکھا مجھے یقین ہے اور مَیں قسم سے کہتا ہوں تو قسم گواہی کے اندر خود موجود ہوتی ہے یہ جو پڑھتے ہیں اشہدان لا الہ الا اللہ اس کا ترجمہ ہے کہ مَیں گواہی دیتا ہوں، لیکن گواہی کا مطلب یہ ہے کہ مَیں یہ قسم کہتا ہوں کہ مجھے یہ یقین ہے قسم کا لفظ اس کے اندر موجود ہوتا ہے۔ شہادۃ کے لفظ کے اندر قسم کا لفظ ہوتا ہے۔ اگر کوئی فقط شہادۃ کا لفظ استعمال کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے گواہی بھی دی اور قسم سے گواہی دی تو اُنھوں نے یہ جملہ جب کہا تو رسول کریم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے منع فرما دیا کہ یہ جملہ کہنے کا حق کسی کو نہیں ہے، ہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے اُمّید ہے جہاں تک میری معلومات ہیں وہ یہ ہیں میرا گمان غالب یہ ہے تو یہ الفاظ تعریف کے لیے استعمال کر سکتا ہے کیونکہ اب کسی کو کسی کے بارے میں پتہ چلنا کہ کیا حال ہے اس کا۔ یہ اگر پتا چلتا بھی ہے کسی کو تو اس کو یقینی نہیں کہا جا سکتا اسے کہا جائے گا "ظنی" ظنی کا مطلب یہ ہے کہ غیر یقینی ممکن ہے اسے کشف میں غلطی ہو گئی ہو کیونکہ کشف میں غلطیاں ہو جاتی ہیں _____ کشف کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہ تو بہت پہلے سے چلا آ رہا ہے جب سے انسان پیدا ہُوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آگے تک چلا آ رہا ہے۔ فلاسفۂ یونان میں کشف کا سلسلہ بہت تھا۔ اور طریقے میں داخل تھا اُن کے، کشف سکھاتے تھے۔ افلاطون گزرا ہے وہ بھی بڑا صاحب کشف تھا۔ اُس کی موت بھی اس طرح پر ہُوئی ہے۔ وہ کسی پر توجّہ کرتا تھا۔ اپنی روح نکال لیتا تھا۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ میں بدن سے اپنی رُوح نکال کر بھیجتا ہوں اور معلومات فراہم کرتا ہوں تو اس کی موت اسی میں ہُوئی ہے۔ کوئی مٹکے جیسی چیز بنا رکھی تھی اُس کے اندر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک دن لگ جائے۔ آدھا دن لگ جائے، دو دن لگ جائیں تین دن لگ جائیں پھر وہ ٹھیک ہو جاتا تھا اور بات کرتا تھا۔ اتنے دن نہ کھانا نہ پینا نہ کچھ، ایک دفعہ ایسے ہی کر رہا تھا کہ بادشاہ کے سَر میں درد ہُوا۔ اس نے پُوچھا تھا روح کیا ہے تو اس نے کہا میں بیٹھتا ہوں مٹکے میں وہ بیٹھ گیا اور اس نے کہا تین دن سے پہلے مجھے نہ اُٹھانا، اگر تم نے تین دن سے پہلے مجھے اُٹھایا تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ میں زندہ ہی نہیں رہوں گا مَیں مَر جاؤں گا۔ بادشاہ کے سَر میں درد شروع ہُوا اور ایسا درد ہُوا کہ وہ تڑپ

رہا تھا ایک حکیم دوسرا حکیم بلاتا رہا، نہیں ہُوا فائدہ، اس کے شاگردوں سے جب فائدہ نہ ہُوا پھر اس نے کہا کہ اُنھیں بلاؤ۔ بادشاہ سَر پھرا ہوتا ہے اس نے کہا کہ اگر میرے سر کو فائدہ نہ ہُوا اور ان کو نہ بلایا تو مَیں تم سب کو مَروا دوں گا۔ تو اَب شاگردوں نے اسے اُٹھایا اُس نے آنکھ کھول کے اُنہیں دیکھا، اُس کی آنکھوں سے آنسوں آئے اس کے شاگردوں نے کہا آپ اپنی اکیلے کی موت پر رو رہے ہیں اور یہاں اس نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ نے اگر اس کا علاج نہ کیا آکے تو آپ کے سارے شاگرد مارے جائیں گے جو آپ کے علمی خزانے ہیں سب ختم ہو جائیں گے، تو اب یہ ہے کہ آپ کی اکیلے کی موت ہوگی، اُس وقت سب کی ہوگی۔ پھر یہ پورا ہوش میں آگیا اور بولا کہ میرا مطلب یہ تھا کہ اس کو ایسی دوا دو جس سے اُس کا نزلہ بہہ جائے آنسو آجائیں تو اس سے اس کو فائدہ ہو جائے گا یہ مطلب تھا میرا رو نہیں رہا تھا اس بات پر بہر حال وہ اسی میں مَر گیا اَب ادھر یہ ہے۔ جاپان میں بدھ مذہب میں ہیں، ہندو مذہب میں بھی سادھو وغیرہ ہیں یہ صاحبِ کشف ہوتے ہیں مگر اپنے مذہب کے صحیح ہونے اور غلط ہونے کی انہیں پہچان نہیں ہوتی۔ صرف اتنی تمیز ہو جاتی ہے کہ اللہ ایک ہے تو توحید کے تو قائل ہو جاتے ہیں اس حد تک تو پہنچ جاتے ہیں، لیکن یہ کہ اس سے زیادہ باتیں معلوم ہوں اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں بندے سے یہ نہیں جانتے اس لیے نبی بھیجے گئے۔ ورنہ انبیاء کرام کے بجائے سارے خود ہی کر لیا کرتے سب کو کشف ہوتا اور وہ کر لیا کرتے، تو کشف جو ہے یہ ہے ظنی چیز یعنی غیر یقینی پُورا یقین سے نہیں کہا جا سکتا جو کسی کے بارے میں کچھ پتہ چلے کسی کو۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرام یہ بھی تو صاحبِ کشف تھے مگر منع فرما دیا صحابیہ کو کہ یہ نہیں کہہ سکتیں ہاں نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم جو بتلاتے تھے وہ صحیح تھا بالکل کسی کے بارے میں فرمایا کہ یہ ایسے ہے یہ ایسے ہے، وہ بالکل صحیح ہے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر فلاں جگہ ہے۔ سُرخ ٹیلہ ہے اس کے قریب ہے۔ بیت المقدس کے پاس اگر مَیں وہاں ہوتا تو مَیں تمہیں اُن کی قبر دکھا دیتا۔ وہ جو آپ دکھاتے قبر اُن کی تو وہ وہی ہوتی۔ اس میں تردد نہیں ہو سکتا اور اس میں فرق بھی نہیں ہو سکتا، مگر یہ وحی کی بات ہے باقی اور کسی کو وحی نہیں ہوتی وہ کشف ہوتا ہے تو کشف جو ہے وہ حجت نہیں ہے، وہ ظنی چیز ہے کبھی صحیح کبھی غلط اکثر صحیح کبھی غلط اکثر غلط کبھی صحیح سبھی طرح کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور آپ کو بھی پیش آتا رہتا ہوگا آپ کہتے ہیں کہ ابھی تو مَیں سوچ ہی رہا تھا کہ تم یہاں ہو گے اور وہ

کہتا ہے کہ میں ابھی یہ کام کر رہا تھا کہ میرے دل میں آیا کہ میں اِدھر ہو آؤں آپ کہتے ہیں کہ میں بیس منٹ پہلے تیس منٹ پہلے تمہیں سوچ ہی رہا تھا۔ اِدھر آپ نے سوچا اُدھر اُس نے سوچا یہ ایک لطیف سلسلہ ہے۔ ریڈیائی سے بھی لطیف، وہ ہے یہ سلسلہ جو کبھی کبھی قائم ہوتا ہے جو آدمی کو نظر آتا ہے۔ بہت لوگوں کے ساتھ گزرتا رہتا ہے تو اُس کو بڑھا لیتے ہیں تو آگے اور چیزیں نظر آنے لگتی ہیں اور محسوس ہونے لگتی ہیں، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر دوسروں کو تعجب ہوتا ہے۔ کلکتہ میں ایک یعقوب صاحب تھے، تشریف لے گئے میں نے اُن کا حال معلوم کیا معلوم ہُوا وفات ہوگئی اُن کی، اور ایسی ہُوئی کہ ایک دن گئے قبرستان وہاں اپنے لیے جگہ پسند کی اور قبر کھدوائی اور کہا کہ آٹھویں دن یہاں آجاؤں گا اور واقعی آٹھویں دن اُن کی وفات ہوگئی اور اُس قبر میں مدفون ہُوئے، بالکل عجیب تھا واقعہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کوئی آدمی نہیں جانتا کہ اُس کی موت کہاں آنے والی ہے۔ دریا میں آئے گی، سمندر میں آئے گی، جل کے آئے گی، کس طرح آئے گی، گھر میں آئے گی۔ پردیس میں آئے گی۔ کہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کسی کو بتا دیتے ہیں تو یہ کسی کو بتا دینا علم نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتلا دینا کہلائے گا۔ علم تو جب کہلائے گا کہ وہ ہر ایک کے بارے میں بتا سکے کہ اس کی فلاں جگہ ہوگی اس کی فلاں جگہ ہوگی اور یہ تو نہیں بتا سکتا۔ اَب صحابیہ نے جب یہ کہا کہ اللہ نے اکرام کیا ہے اور اکرام سے اُنہیں نوازا ہے تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمھیں کیسے پتہ؟ تو اُن کے دل میں ایک طرح کا بڑا صدمہ ہُوا، کیونکہ وہ کہتی ہیں کہ یہ آدمی اللہ کے نزدیک قابلِ اکرام نہیں تو کون قابلِ اکرام ہوگا۔ اس لیے کہ اس قدر متقی اور باعمل شخص تھے اور اُن کی ایسی کیفیات تھیں اگر یہ نہیں ہوں گے تو کون ہوگا پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مزید سمجھایا مگر ان کی طبیعت میں بہت تکلیف رہی یہ کیا قصّہ ہے کیا بات ہے تو ایک دفعہ اُنھوں نے خواب دیکھا کہ ایک چشمہ ہے ——— پُوچھا یہ کس کا ہے چشمہ تو کسی نے بتلایا کہ عثمان بن مظعونؓ کا ہے یہ چشمہ تو اُنھوں نے نبی علیہ السّلام سے عرض کیا کہ میں نے ایسے خواب دیکھا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ذٰلِكَ عَمَلُهٗ يُجْرٰى لَهٗ یہ عمل ہے اُن کا جو اُن کے لیے جاری کیا گیا ہے یا جاری رکھا گیا۔ يُجْرٰى لَهٗ یہ ان کے اعمالِ صالحہ ہیں۔ جب کوئی آدمی کوئی کام کر جاتا ہے نیک جب تک اثرات چلتے ہیں اس وقت تک اُسے ثواب ملتا رہتا ہے کسی نے کسی کو نماز پڑھنی سکھائی ہے تو جب تک وہ نماز پڑھتا رہے گا ساری عمر اُس کو ثواب ملتا رہے گا کسی کو مُسلمان کیا ہے

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

سلسلۂ مواخات اور سیاسی رہنماؤں کے لیے ایک سبق

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

یُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ (آلِ عمران آیت ۱۶۳)[1]

○

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ میں قیام فرما ہوئے تو آپ کی حیثیت سیاسی سربراہ (امیر) کی بھی تھی (تفصیل آگے آئے گی) آپ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے کوئی قانون بنا سکتے تھے، مگر سیرۃ مبارکہ کا سبق یہ ہے کہ قانون بنانا کارگر نہیں، دلوں کو بنانا چاہیے۔ سیاسی یا اقتصادی انقلاب کے بجائے دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کرو۔

آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک بہت مشہور[2] ارشاد ہے جس کا مفہوم یہ ہے۔

جسم انسان میں ایک پارچۂ گوشت ہے۔ اگر وہ ٹھیک ہے تو بدن کی پوری عمارت آباد ہے۔ اگر وہ خراب ہے، تو بدن کی پوری عمارت ویران، یاد رکھو وہ قلب ہے۔

کلام اللہ شریف نے آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان یہ بیان فرمائی تھی۔

تمہارا (اہلِ ایمان کا) رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق (سخت ناگوار) گزرتا ہے۔ تمہاری بھلائی کا حریص (بہت خواہش مند) ہے۔ وہ مومنوں کے لیے شفقت رکھنے والا، رحمت والا ہے[3]۔ وہ ان کو (اہلِ ایمان کو) اللہ کی آیتیں

---

[1] ان کو (اہل ایمان کو) پاک صاف کرتے ہیں (سنوارتے ہیں) اور اُن کو کتاب اور حکمت (دانش و بینش) کی تعلیم دیتے ہیں۔ سورۃ ۳ آیت ۱۶۳ [2] بخاری شریف وغیرہ صحاح۔ [3] سورۃ ۹ توبہ آیت ۱۲۸۔

سُناتا ہے، اور اُن کو سنوارتا ہے۔ (ہر طرح کی بُرائیوں سے اُنھیں پاک کرتا ہے[۱])

قانون کے سامنے چار و ناچار گردنیں جُھک جاتی ہیں، مگر دِل نہیں سنورتے یہ ہی رحمت ۔ رؤف رحیم کی نظر کیمیا اثر کی برکت تھی کہ حضراتِ انصار کے دل ایسے سنورے بخل اور حُبِّ مال کی بُرائی ختم ہوکر ایثار، فدائیت اور سخاوت کے وہ بے پناہ جذبات ان میں موجزن ہوئے کہ جیسے ہی رشتۂ اخوّت قائم ہُوا اُنھوں نے خود درخواست پیش کر دی۔

اَقْسِمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ اِخْوَانِنَا النَّخِیْلَ۔

ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان باغات تقسیم کر دیجیے۔

حضرات انصار کا اصرار یہ تھا کہ حضرات مہاجرین کو ان جائیدادوں کا مالک بنا دیا جائے، لیکن رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم جیسے غریب اور پردیسی مہاجرین کے حق میں مشفق و محسن تھے۔اسی طرح آپ کا دامنِ رحمت انصار پر بھی پھیلا ہُوا تھا اُن کے حق میں بھی آپ رؤف و رحیم تھے۔آپ نے ملکیّت کی تقسیم منظور نہیں فرمائی صرف پیداوار کی تقسیم کا فیصلہ فرمایا۔ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔)

(یہ ہونی چاہیے شان سیاسی سربراہ اور رہنمائے قوم کی)

سیرتِ مُبارکہ کے اشارات اور تحریکات دَورِ حاضر کے نظریات میں بُنیادی فرق

وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

سیرتِ مُبارکہ کے تقدّس سلسلہ میں سوشلزم کمیونزم وغیرہ دَورِ حاضر کی تحریکات کا ذکر کرنا سوءِ ادب اور گستاخی ہے۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ (یعنی کسی حقیقت کی پُوری وضاحت جب ہوتی ہے جب اس کی مقابل اور برعکس چیز کو سامنے رکھا جائے۔)

۱ے سورۃ ۳ آل عمران آیت ۱۶۴

۲ے بخاری شریف، ص: ۳۱۲ و ص: ۵۳۴

نورِ آفتاب کی قدر اُسی وقت ہوتی ہے جب ظلمتِ شب کی مصیبت جھیلی ہو۔ لہٰذا ان تحریکات کے بنیادی نظریات کا کسی قدر تذکرہ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سیرتِ مبارکہ کے ان اشارات کی وضاحت ہو سکے جن کا تعلّق اقتصادیات سے ہے اور انصاف پسند اہلِ بصیرت اُن کی قدر و منزلت معلوم کر سکیں۔ اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ تحریکاتِ حاضرہ کے متوالوں میں ایسے بھی ہیں جو ان تحریکات کا پیوند دامنِ اسلام سے جوڑنا چاہتے ہیں اور اس کو اسلام پر ایک احسان سمجھتے ہیں۔ لہٰذا بنیادی فرق کی وضاحت اس لیے بھی ضروری ہے کہ ایسے محسنینِ اسلام کے سامنے حقیقت جلوہ گر ہو سکے۔

(۱)

سب سے پہلا فرق یہ ہے کہ ان تحریکات کے بانیوں نے اُس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس کا سمجھنا سب سے پہلے ضروری تھا۔

ان تحریکات کا منشا اگر انسانی سماج کی فلاح و بہبود ہے تو سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ انسان کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ انسان کیا ہے، انسانیت کیا ہے۔ تاکہ انسان کی فلاح و بہبود کے معنی اور ترقی کا معیار معین ہو سکے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ تحریکات دورِ حاضر کی پیداوار ہیں اور اس سے پہلے انسان کے دماغ پر تالے پڑے ہوئے تھے۔ ان تالوں کی کُنجیاں بیسویں صدی عیسوی میں انسان کے ہاتھ آئی ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صرف ڈیزائن اور نقشہ بدلا ہے، ورنہ ان تحریکات کی بنیادیں بہت قدیم ہیں اور اس طرح کے انقلابات سے دُنیا ہمیشہ دوچار ہوتی رہتی ہے۔

موجودہ تحریکات اور ان کی ہم جنس سابق تحریکات کی مشترکہ کوتاہی یہ ہے کہ اُن کی بُنیاد صرف خُدا فراموشی پر نہیں ہے بلکہ خود فراموشی بھی اُن کی بُنیادوں کا کنکریٹ اور اینٹ گارا ہے۔

۱؎ فارسی زبان اور تاریخ ایران سے دلچسپی رکھنے والے مزدک سے واقف ہیں جس نے تقریباً پانچویں صدی عیسوی میں تحریک چلائی تھی کہ زر۔ زن اور زمین سب کے لیے مشترک ہے۔ زنان را خلاص گردانید و اموال را مباح داشت و ہمہ مومان را درخواستہ زن شریک ساخت چنانکہ در آتش و آب و علف انبازند (دبستان مذہب) وملل ونحل ص: ۸۶، ج: ۲، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی تصنیف اقتصادی تحریکات اور اسلامی تعلیم کے اشارات۔

انسان کیا ہے، کیوں پیدا ہُوا، اس کا مستقبل کیا ہے۔ اس کائنات میں اس کی حیثیّت کیا ہے۔ موت کی حقیقت کیا ہے ۔ وہ فنا ہے یا انتقال (یعنی حالت کی تبدیلی اور ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا۔)

اگر موت انتقال ہے اور انسان موت کے بعد بھی باقی رہنے والی حقیقت ہے تو مابعد الموت کا تعلّق موجودہ زندگی سے کیا ہے۔

قول و عمل اگر باقی رہنے والی حقیقتیں ہیں تو کس طرح ؟ اور اُن کا کچھ اثر مابعد الموت ہوگا یا نہیں۔ عاقبت اندیش انسان کا فرض ہے کہ میدانِ عمل میں قدم رکھنے سے پہلے ان سوالات کو حل کر لے۔ ان سوالات سے غفلت خود فراموشی ہے جس کا نتیجہ خدا فراموشی ہوتا ہے۔ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ نَفْسَهٗ لَمْ يَعْرِفْ رَبَّهٗ

(۲)

انسان ایک جاندار ہے۔ جو اپنے اندر غور و فکر اور تحقیق و تنقید کی طاقت رکھتا ہے۔ جس کی بناء پر اُس نے خاص طرح کی زندگی اختیار کی۔ جس نے درجہ بدرجہ ترقی کرتے ہُوئے موجودہ تمدّن کی صُورت اختیار کر لی، جس کے بہت سے شعبوں میں سے ایک شعبہ وہ ہے جس کو سائنس اور فلسفہ کہا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ کائنات کی آخری سرحد تک پرواز کرنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ اس کو کچھ ایسے ضابطوں اور قوانین کی ضرورت ہے جو اس زندگی کو محفوظ رکھ سکیں اور اس کو خوشگوار بنا سکیں، چنانچہ وہ یہ ضابطے بناتا ہے اور اُن کو رائج کرتا ہے۔

یہ ہیں وہ انکشافات جو تحریکات کے بانی صاحبان کو حقیقتِ انسان کے متعلّق خود بخود یا اس سائنس اور فلسفہ کے ذریعے سے ہو گئے جس کا دعوٰی ہے کہ وہ ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہے، لیکن اس کائنات میں انسان کی حیثیّت کیا ہے۔ اس کا جواب سائنس اور فلسفہ نے بھی نہیں دیا۔

اس کے برعکس قرآنِ حکیم کے شروع ہی میں چند تمہیدی فقروں کے بعد سب سے پہلے انسان کی وہ خصُوصیّت بیان کی گئی ہے جو اس کو باقی تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ ساتھ ساتھ اس کی وہ حیثیّت واضح کی گئی ہے جو اُس کو پُوری کائنات یعنی عالم مخلوقات میں حاصل ہے۔

(۳)

صرف اسلام ہی نہیں بلکہ جملہ مذاہب اس پر متفق ہیں کہ

(۱) انسان کا خاتمہ موت پر نہیں ہو جاتا بلکہ وہ ایک ایسی حقیقت ہے جو موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ موت کی حقیقت فنا ہو جانا نہیں ہے، بلکہ موت ایک تبدیلی اور انتقال ہے یعنی عالم مشاہدہ سے ایک ایسے عالم کی طرف منتقل ہو جانا جو ہمارے مشاہدہ سے بالا ہے۔

(۲) اور یہ کہ انسان کا حقیقی اور دائمی مستقبل وہ ہے جس کا آغاز اس انتقال اور اس تبدیلی کے بعد ہوگا، جس کو موت کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر حقیقی مستقبل اور حقیقی زندگی وہ ہے جو موت کی گھاٹی کو پار کرنے کے بعد سامنے آئے گی تو موجودہ زندگی کا تعلق اس سے کیا ہوگا؟ اس زندگی کا آغاز از سرِ نو ہوگا۔ یعنی نیست سے ہست اور عدم کی جگہ ایک وجود کا آغاز ہوگا یا وہ زندگی موجودہ زندگی کا نتیجہ اور ثمرہ ہوگی۔ گویا آج ہم بو رہے ہیں، اور مرنے کے بعد اُس کو کاٹیں گے یا وہ ایک قدرتی ارتقاء ہوگا۔ یعنی جس طرح انسان کا موجودہ وجود ایک ارتقائی[1] درجہ ہے جو تخلیق کے بہت سے مراحل طے کرنے کے بعد ظہور پذیر ہوا ہے۔ ایسے ہی مابعد الموت بھی ایک ارتقائی درجہ ہوگا۔ سائنس نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مذہب اس کا جواب دیتا ہے اور قرآنِ حکیم اسی جواب کو سامنے رکھ کر نہ صرف اقتصادیات و سیاسیات بلکہ انسان کی پوری زندگی کے لیے ضابطۂ حیات مقرر کرتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ مبارکہ جو قرآن کے سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہے اس کی عکاسی کرتی ہے

(۴)

خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ انسان اس کو مانے۔ انسان کو ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو باہوش

---

[1] ڈارون کا نظریہ ہمارے پیشِ نظر نہیں ہے۔ ہمارے پیشِ نظر قرآنی آیات ہیں جن میں یہ ترتیب قائم کی گئی ہے کہ انسان کی سرشت مٹی سے ہوئی۔ پھر ہر انسان کے مراتبِ تولید میں نطفہ۔ پھر علقہ (خون بستہ) پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر انسانی شکل، پھر نفخ رُوح، پھر ولادت، پھر بچپن، جوانی، کہولت، پھر بڑھاپا۔ بس جس طرح نفخ رُوح (جان پڑ جانے کے بعد) بطن مادر میں رہا اور وہاں سے اس عالم میں آیا۔ یہ بھی ایک انتقال ہے۔ اسی طرح موجودہ عالم بطن گیتی ہے۔ جہاں وہ اپنے اوصاف و خصائل اور اپنے کردار و عمل کے ساتھ نشو و نما پا رہا ہے اور مرنے کے معنی کہ وہ بطن گیتی سے دوسرے عالم میں منتقل ہوگا اور جس طرح ماں باپ کی خصلتیں اور اُن کے امراض عموماً بچہ میں سرایت کر جاتے ہیں انسان کے اعمال و کردار کے اچھے بُرے اثرات بھی انسان میں اثر کر جائیں گے۔

تقریر، مدراس
مورخہ ......

(قسط: ۱)

ادارہ انوارِ مدینہ کی جانب سے رسالہ میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی تقاریر شائع کرنے کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متوسلین و خدام سے اپیل ہے کہ اگر ان کے پاس حضرت کی تقاریر ہوں تو ادارہ کو ارسال فرما کر عندالناس مشکور اور عنداللہ ماجور ہوں۔ (ادارہ)

بیعت کی شرعی حیثیت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

میرے محترم بھائیو اور بزرگو!

مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں کچھ بیعت اور سلوک طریقت کے متعلق عرض کروں۔ خیال ہے لوگوں کا یہ چیز شریعت کے خلاف ہے اور اس چیز کی تعلیم آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی اور چونکہ جو لوگ طریقت اور تصوف کے ذمہ دار ہیں، اُن کی حرکات وسکنات، ان کے افعال، شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں۔ اس واسطے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق اور تعلیم کے خلاف ہے۔ واقعہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ بیعت ہے نام عہد لینے کا۔

کتاب وسنت سے بیعت کا ثبوت

کسی شریعت کی بات کے لیے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے، خواہ پوری شریعت کا عہد لیا جائے یا کسی خاص مسئلہ کا عہد لیا جائے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سے مواقع میں انجام دیا ہے۔

بیعتِ جہاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت میں عہد لیا تھا لوگوں سے

ثابت کرنے کے لیے خُدا کو مانے۔ شخص کو باہوش نہیں کہا جا سکتا جس کا دعویٰ یہ ہو کہ تاج محل خود بخود وجود میں آ گیا۔

یہ شخص اگر اسی کور باطنی کے ساتھ تاج محل کی سیر کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ بانی اور معماروں کی قدر نہیں کریگا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سنگ تراشی، نقش سازی، ڈیزائن سازی اور انجنیئرنگ وغیرہ کے تصوّرات سے بھی محروم رہے گا اس کے ذہن میں بھی نہیں آئے گا کہ ڈیزائن سازی بھی کوئی خاص فن ہے۔ سنگ خارا اور سنگِ مرمر پر پھول اور بوٹیاں بنانا پھر اُن میں رنگ بھرنا اور ایسے مسالے تیّار کرنا کہ صدہا سال کی سیکڑوں برساتیں اُن پر کوئی اثر نہ کر سکیں۔ عمارت کے طول و عرض، بلندی وغیرہ کو موزوں رکھنا بھی قابلِ قدر ہُنر ہیں۔

یہ ظالم تاج محل کو خود رَو مان کر ان تمام فنون اور اُن کے ماہرین پر ظلم کرتا ہے۔ ان فنون کے ایجاد کرنے اور ترقی دینے کا کوئی سوال اُس کے سامنے نہیں آتا۔ وہ خود اپنے اُوپر بھی ظلم کرتا ہے اور اپنی ظالمانہ فطرت سے ان تمام فنون کو بھی مجروح اور مفلوج کر دیتا ہے۔ ایسے کور باطنوں کو اگر اقتدار کی باگ ڈور دے دی جائے تو کیا تمدّن ایک قدم بھی آگے بڑھ سکے گا۔

کائنات کے اس تاج محل میں جو حُسن اور خُوبیاں ہیں اُن کو صحیح طور پر وہی پہچان سکتا ہے جو اس کے پیدا کرنے والے کو پہچانے۔ اسی کو "معرفتِ حق" کہا جاتا ہے۔ معرفتِ حق حقیقت پسندی اور خُدا پرستی کی بُنیاد ہے۔ اس کو مضبوط کرنے اور ترقّی دینے کا نام روحانیت ہے۔

(۵)

انسان کی حیثیّت

انسان کی حیثیّت اگر یہ ہے کہ وہ ایک جاندار ہے جس کو عقل کی نعمت دے دی گئی ہے تو اس سے اعلیٰ اخلاق، شرافت اور روحانیّت کا مطالبہ خاص وزن نہیں رکھتا۔ اگر وزن رکھتا ہے تو صرف اتنا جو بتقاضاء عقل ضروری ہو مگر اسلام نے انسان کی حیثیّت بہت بلند قرار دی ہے وہ کمالاتِ تخلیق کا بہترین نمونہ اور نظامِ قدرت کا شاہکار ہے۔ جس کو یہ عزت اور عظمت دی گئی ہے کہ وہ اس پُوری کائنات میں خالقِ کائنات کا خلیفہ[۳] ہے۔ کائنات کی بڑی سے بڑی مخلوق حتّٰی کہ چاند

---

[۱] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۃ والتین۔ [۲] ولقد کرمنا بنی اٰدم (سورۃ ۱۷ بنی اسرائیل آیت ۷۰ [۳] انی جاعل فی الارض خلیفۃ سورۃ ۲ بقرہ آیت ۳۰

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

کہ اگر دُشمنوں سے مقابلے کی نوبت آئی تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے جب تک دُشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور اگر اس کے اندر موت آجائے تو موت کو اختیار کریں گے۔ اس کو سورۃ فتح میں قرآن شریف میں فرمایا گیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ

اللہ تعالیٰ مُسلمانوں سے راضی ہوگیا۔ جبکہ وہ درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مُبارک پر بیعت کر رہے تھے۔

کِس بات کی بیعت کر رہے تھے؟ حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے پُوچھا گیا کہ تُم نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے کاہے پر بیعت کیا تھا؟ تو وہ کہتے ہیں علی الموت ہم نے بیعت کیا تھا۔ موت کے اُوپر۔ موت کے اُوپر بیعت ہونے کے یہ معنیٰ کہ ہم مرجائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہُوا اور اُن کے دِلوں کی باتوں پر مطلع ہوکر اُس نے اپنی سکونت کو سکینت کو اور اطمینان کو اُن کے دِلوں میں ڈالا اور اس کے بدلے میں فتح مندی عطا فرمائی۔ یہ سورۃ فتح میں لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ بیعت کا ذکر کیا گیا، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ سورۃ فتح ہی میں کہتا ہے۔

بیعت کی عظمت

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

اے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنا ہے، جس شخص نے اپنے عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اَجر دے گا، ثواب دے گا، اور جو عہد کر کے توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ تو بیعت جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مُبارک پر کی گئی، یہ بیعت تھی جہاد کی، غزوۂ حُدیبیہ کی۔ قرآن شریف میں سورۂ ممتحنہ میں اور دوسری بیعت کرنے کا حُکم دیا گیا۔

کبائر سے اجتناب پر بیعت

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا

يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ط

اے پیغمبر جبکہ عورتیں تمہارے پاس آئیں اور وہ عہد کریں، بیعت کریں اس بات پہ کہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنے بچّوں کو قتل نہ کریں گی، زمانہ جاہلیت میں عادت تھی کہ اپنے بچّوں کو مرد اور عورت ماں اور باپ قتل کر دیتے تھے اس وجہ سے کہ اس بچّے کے پالنے میں خرچ بہت کچھ پڑے گا۔ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ، فاقہ کی وجہ سے، اور اسی طرح کسی پہ بہتان نہ باندھیں۔ حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کو پورے طرح سے انجام دیں گی، نافرمانی نہیں کریں گی۔ تو حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حکم ہے کہ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ کہ آپ بیعت کیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے، تو یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئی۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہجرت سے پہلے جبکہ مکّہ معظّمہ میں بارہ سرداروں سے انصار کے جمع ہوئے اور اُن کو دین کی طرف تعلیم دی۔ تو حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اُنہیں سرداروں میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم کو حکم دیا کہ

مختلف احکام شریعت پر بیعت کا حکم

بایعونی علیٰ ان لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ـــــ مختلف چیزیں اسلام کی تعلیم فرمائیں، اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مدد کرنے کی، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حفاظت کرنے کی مختلف چیزیں عہد میں لیں، اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص ان باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنّت میں جگہ دے گا، اس کی مغفرت کرے گا اور اگر کوئی شخص خلاف کرے گا اور دُنیا میں اس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اُس پر سے اُٹھ جائے گی، اور اگر اُس نے نافرمانی کی اور سزا نہیں دی گئی دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے معاف کر دے تو اس قسم کے بہت سے واقعات میں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعضی خاص باتوں پر بیعت لی ہے اور کبھی کبھی عام باتوں پہ، پوری شریعت پر بیعت لی ہے بیعت کی تعلیم قرآن شریف میں اور احادیث میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعضے اصحاب سے اسی پر بیعت لی تھی کہ وہ کسی سے کوئی چیز مانگے گا نہیں، سوال نہیں

کرے گا، تو عادت تھی اس صحابی کی کہ اگر گھوڑے پہ سوار ہوا، اور اُس کا کوڑا گر گیا تو کوڑا بھی کسی دوسرے سے نہیں اُٹھواتا تھا۔ بلکہ گھوڑے سے اُتر کر کے اپنے کوڑے کو اُٹھاتا تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بیعت کی اس بات پہ کہ ہر مُسلمان کی خیر خواہی کریں گے تو ہمیشہ ہر چیز میں جس مُسلمان کو ضرورت سمجھتے تھے۔ خیر کی نصیحت کرتے تھے تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے قرآن میں، احادیث میں بہت سے واقعات کو ذکر کیا گیا ہے، بیعت اُسی وقت سے جاری ہے۔ اب اسی بیعت ہی میں سے یہ بیعت طریقت کی ہے جو کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے سے آج تک چلی آتی ہے۔ بیعت اس بات پہ کرنا کہ شریعت پہ مضبوطی سے چلیں گے اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے اس سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اطاعت میں پُوری توجّہ سے کام لیں گے، اسی کو بیعتِ طریقت کہا جاتا ہے۔ جو کہ اُس زمانہ سے برابر چلی آتی ہے۔ بیعت کے طریقے تمام زمانے میں جاری رہے ہیں اور اللہ کے خاص خاص بندوں نے مُسلمانوں سے عہد لیے ہیں، یہ جو پیری مریدی کہی جاتی ہے یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے۔

بیعت لینے کا مُستحق

بیعت کرنا ہر ایک شخص کا حق نہیں ہے، جو شخص شریعت کا پابند ہو، بِدعات سے اور فسق و فجور سے بچتا ہو اور اُس نے کسی ولی اور مُرشد کے پاس رہ کر کے نسبتِ باطنی حاصل کی ہو، فقر و فاقہ کو اختیار کیا ہو، اُس کے ہاتھ پر زمانہ سابق میں بیعت کی جاتی تھی اور وہی مستحق ہے بیعت لینے کا۔ اس کے اندر تمام صحابہ میں خاص خاص لوگ بیعت لیتے تھے، خلفائے راشدین اور خُصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے۔

شیخ یا پیر کا مطلب

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے بعد حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور پھر اُن کے خلفاء برابر یہ بیعت لیتے رہے، جو لوگ بیعت لیتے تھے اُن کو پیر کہا گیا، پیر کے معنی لُغت میں بڈھے کے ہیں، عربی میں اس کو شیخ کہتے ہیں، چونکہ معمر آدمی جو کہ زیادہ دنوں تک اُس نے خداوند کریم کی اطاعت، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں وقت گزارا ہو، وہ ہی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے عہد لے تو اس واسطے اس کو عربی میں شیخ، فارسی میں پیر کہا گیا، وہ شخص تجربہ کار ہوتا ہے، وہ شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں عمر گزارے ہوتے ہوتا ہے تو اُس کو پیر کہا جاتا تھا۔ پیر کوئی خاص آدمی کا نام نہیں ہے کسی خاص نسب کا نام نہیں ہے، کسی

خاص طریقہ کے کرنے والے کا نام نہیں ہے۔ جو شخص شریعت کا پابند ہو اور عرصہ دراز تک اس نے ریاضتیں کی ہوں، ذکر کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا ہو اور وہ دُنیا پر رِجھنے والا نہ ہو، اس قدر عبادت کی ہو کہ اس کے اندر نسبت اللہ تعالیٰ سے پوری پیدا ہو گئی ہو، اسی سے وہ شریعت پر بیعت لینے کا مستحق ہے، وہی پیر اور شیخ ہوتا تھا۔

سچّے اور جھوٹے پیر

مگر عرصہ زمانہ گزر جانے کے بعد جس طرح ہر جماعت میں کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں علمِ ظاہر میں اور دوسری جماعتوں میں بھی کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے طریقت کے اندر بھی کھوٹے اور کھرے پائے جاتے ہیں، جو شخص شریعت کے اُوپر نہ چلتا ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا تابعدار نہ ہو وہ شخص بیعت لینے کا، پیر بننے کا کسی طرح حق نہیں لے سکتا قرآن شریف میں فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ رہو۔

تو پیر بنایا جاتا ہے سچّا، جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی سچّا ہو اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھی سچّا ہو جس کے اندر دغل، فسل، مکر، حیلہ وغیرہ نہ پایا جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی سچّی تابعداری کرتا ہو، اس کو کہا گیا كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ان کے ساتھ رہو۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، ڈرو اللہ تعالیٰ سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو، وہ شخص جو تمہارے لیے ذریعہ ہو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا، اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو حاصل کرنے کا، اسی کو مُرشد کہتے ہیں۔ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ میں محققین کی رائے یہی ہے تفسیر میں کہ مُراد ہے مُرشد، جس کو پہلی آیت میں کہا گیا كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ پہلے ایمان ذکر کیا گیا تو اُس کے بعد تقویٰ ذکر کیا گیا، ان دونوں کے بعد اس جگہ وسیلہ یعنی مُرشد کا تلاش کرنا اور اس کے حُکم پر چلنا، یہ تیسرا حُکم وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ کا ذکر کیا گیا۔

ریاضت و اشغالِ تصوّف کا ثبوت

وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ چوتھا حکم ذکر کیا گیا کہ اللہ کے راستے میں کوشش کرو، جہاد کرو، نفس کے خلاف کرو، اپنی راحت کے خلاف کرو، تو یقیناً وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ایمان اور تقویٰ کے بعد کوئی زائد چیز ہے اُسی کو مُرشد کا تلاش کرنا اور اُس کے حکم پر چلنا اور پھر اللہ کے راضی کرنے کے لیے ہر قسم کی جدّوجُہد کرنا اس آیت میں ذکر کیا گیا، تو یہ جو طریقت کے تصوّف کے احکام ہیں کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ پُرانی ہے اور اُسی زمانے سے چلی آتی ہے، تصوّف کے جو اعمال ہیں ذکر وغیرہ ریاضتیں یہ چیزیں بھی اُسی زمانے سے چلی آتی ہیں جاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ فرمایا گیا، جہاد کہتے ہیں زیادہ کوشش کرنا، جدّوجہد کرنے کا نام ہے، آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت جبریل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حدیث میں ذکر کیا ہے۔

حدیثِ جبریلؑ (سلوک و احسان)

صحابۂ کرامؓ کہتے ہیں کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک شخص آیا جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا نہ تھا، اُس کے کپڑے نہایت سفید اور صاف وشفاف تھے، مگر ہم میں سے کوئی اُس کو پہچانتا نہ تھا، وہ آکر کے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے قریب گھٹنے سے گھٹنا ملا کر کے بیٹھ گیا ہم نے تعجّب کیا، کیونکہ اگر وہ باہر سے آیا ہوتا تو کپڑے اس کے میلے ہوتے، گرد و غُبار سے اُس کے بال بھرے ہُوئے ہوتے، کپڑوں میں میل کچیل ہوتا، اُس کے بال نہایت صاف اور سیاہ تھے اور کپڑے بھی سفید تھے۔ ہم تعجب کرتے تھے، اُس نے پُوچھا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کہ حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ایمان کس کو کہتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایمان کی تعریف بتلائی۔

اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام)

آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرے۔ یقین کرے اللہ پر — اس کے فرشتوں پر، اس کے رسولوں پر، کتابوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر، اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

اسلام کیا ہے

ماالاسلام؟ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَ تَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔

اسلام اس کا نام ہے کہ گواہی دو اور کہو اَشْھَدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ کو ادا کرو۔ رمضان کا روزہ رکھو، اور خانہ کعبہ کا، بیت اللہ کا حج کرو، اگر تمہارے پاس طاقت ہے وہاں پہنچنے کی، اس کے بعد اس نے کہا:

احسان کیا چیز ہے

یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مَا الْاِحْسَانُ۔ احسان کیا چیز ہے۔ قرآن میں بہت سی جگہوں میں احسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا گیا۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں سے بہت قریب ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ فرمایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کہ پرہیز کرتے ہیں اور جو احسان عمل میں لاتے ہیں۔

وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی۔

جن لوگوں نے احسان کیا اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھلائی کرے گا۔

ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

اس طرح سے بہت سی آیتوں میں اِحسان کی بڑی تعریف کی گئی ہے اور بڑے وعدے کیے گئے ہیں۔

تو اَب وہی پُوچھتا ہے کہ یارسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مَا الْاِحْسَانُ احسان کس چیز کا نام ہے؟ تو آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔

احسان

احسان اس چیز کا نام ہے کہ تم خدا کی عبادت ایسی طرح سے مکمّل کرو، اس طرح سے اس کے اندر خشوع اور خضوع کو انجام دو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو۔ مزدور، نوکر، غلام جب اپنے آقا کو، مالک کو دیکھتا ہے تو اس کی اطاعت اور فرماں برداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا اور جب کوئی کام کرتا ہے اور آقا اس کے سامنے نہیں ہے تو نہایت بے توجّہی سے کرتا رہتا ہے، تو احسان کی تعریف آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں تم اس طرح سے تکمیل

کرو، اس قدر خشوع اور خضوع کا لحاظ کرو جیسے کہ تم اپنے آقا اور مالک کو دیکھنے کے وقت میں ادا کرتے ہو۔ یہ احسان ہے۔ اگر تم کو یہ شُبہہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہم تو نہیں دیکھتے یہ کیسے ہوسکتا ہے تو اس کو فرمایا گیا فَاِنَّہٗ یَرَاکَ تم اگرچہ نہیں دیکھتے ہو، مگر اللہ تعالیٰ تو ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے تو اپنے مالک کی موجودگی میں جو غلام، جو نوکر، جو مزدور تکمیل کرتا ہے کام کی، وہ تو اسی وجہ سے کرتا ہے کہ آقا دیکھ رہا ہے اللہ تعالیٰ ہر حالت میں تم کو دیکھتا ہے، کسی وقت میں بھی تم خُدا کے علم سے، اس کے دیکھنے سے اوجھل نہیں ہو سکتے۔

اِحسان کی فضیلت

تو بہرحال یہ احسان بڑا اعلیٰ درجہ کا مرتبہ ہے۔ اسی کو تیسرے سوال میں حضرت جبریل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا۔ اس احسان کو قرآن میں جیسا میں نے چند آیتیں عرض کیں، بڑی تعریف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَۃٌ جن لوگوں نے احسان کو انجام دیا اُن کے ساتھ (میں) اللہ تعالیٰ نہایت عمدہ ثواب دے گا اور زیادتی دے گا۔ تو اسی احسان کے حاصل کرنے کے واسطے تمام تصوّف کا مدار ہے۔ آقائے نامدار علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں یہ احسان حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مجلس میں ایمان کے ساتھ حاضر ہونے سے یہ بات حاصل ہو جاتی تھی۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روحانی طاقت اس قدر قوی تھی کہ جو شخص آپؐ کے سامنے اخلاص کے ساتھ، اِسلام کے ساتھ حاضر ہُوا، اُس کے قلب کے اُوپر ایسا اثر پڑتا تھا کہ ماسوا اللہ ـــــ اللہ کے سوا جو چیزیں بھی ہیں سب کو بھُول جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے۔
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے

(قسط : ۲ ، آخری)

جناب صُوفی عبدالرّب صاحب مرحوم

ایک گمنام عالم اور عارف

مولانا صادق الیقین کُرسوی رح

ناچیز راقم کے والد ماجد کا بیان ہے کہ مولانا کتابوں کا مطالعہ فرماتے وقت ورق گردانی نہ اُنگلی میں لب لگا کر فرماتے نہ بدون لب چٹکی سے ورق اُلٹتے ، بلکہ صاف شفاف چاقو سے اُلٹتے تھے۔ حضرت مولانا کی نفاست کے بعض واقعات ناچیز نے اپنی والدہ سے سُنے ہیں۔ وہ فرماتی تھیں کہ کھانا تناول فرمانے کے بعد مولانا کے آگے سے جو برتن گھر میں آتے ان میں جس میں چاول بچے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کسی نے چاقو سے تراش کر دوسرے ظرف میں نکال لیے ہیں اور باقی پلیٹ میں پس خوردگی کا کوئی نشان تک نہ ہوتا اور جس ظرف میں پس خوردہ نہ بچتا وہ ایسا واپس آتا گویا پانی سے دھو کر بھیجا گیا ہے ۔ اسی طرح کوئی پھلکا یا چپاتی شکستہ یا غیر مسلم کبھی نہ آتی ۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ مولانا پان کھاتے تو لبوں پر پان کی سُرخی کا خط نہایت معتدل اور حسین پڑتا تھا۔ کسی طرف پیک قطعاً نہ پھیلتی۔ پان کھاتے تو نہ جانے کہاں سے خوشبو پیدا ہو جاتی۔ مُنہ سے برابر خوشبو نکلتی رہتی۔ اگالدان میں پیک ڈالتے تو کسی جانب چھینٹ یا داغ و دھبہ نہ پڑتا۔ پیک سیدھی خلا میں غائب ہو جاتی۔ یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کبھی قبلہ کی جانب تا زندگی تھوکنے کی مثال نہیں ملتی۔ قبلہ رُخ کے علاوہ اثر کی سمت بھی پیر پھیلانے کی عادت نہ تھی۔ اُن کے اَدب کی سند پہلے مذکور ہو چکی ہے ۔

شیخ کے ساتھ شدّتِ تعلّق کا ایک واقعہ والد مرحوم نے بیان کیا۔ مولانا کو جب گنگوہ جانا ہوتا تو اپنے ارادہ کا ذکر والد بزرگوار کی خدمت میں بطور اجازت طلبی کرتے۔ اُن کی طرف سے اجازت مع سفر خرچ کے مرحمت ہوتی تھی۔ ایک بار اسی طرح اپنے ارادے کا ذکر کیا، جواب نہ پایا۔ حاجی

عبدالرحیمؒ کو جو خانوادہ کے مخلص خادم بلکہ غلام بے دام تھے، اور صاحب نسبت اہلِ دل بھی تھے متعین فرمایا کہ حضرت حافظ صاحب کے قریب ہی جواب کے منتظر رہیں۔ تھوڑی دیر میں حاجی عبدالرحیم صاحب مسجد کے اندرونی حصہ سے جواب لے کر کنوئیں کے پاس آئے۔ مولانا آستین چڑھائے ہوئے وضو کے لیے خود کنوئیں سے پانی نکال رہے تھے۔ حاجی عبدالرحیم کی زبانی جواب نفی میں سُن کر ششدر رہ گئے اور معاً کھلی ہوئی بانہوں کے ہر بنِ مو پر خون کی بوندیں جھلکنے لگیں۔ حاجی عبدالرحیم صاحب جو مولانا کے عاشق زار اور فدا کار تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر حافظ صاحب کی خدمت میں دوڑ کر گئے اور چشم دید کیفیت مِن وعَن جا سُنائی۔ حافظ صاحب بے تاب ہوگئے اور بہ نفسِ نفیس مولانا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ سفر خرچ موجود ہے جس دن مناسب سمجھو روانگی کی اجازت ہے اور بھی دل جوئی کے کلمات فرمائے اور مولانا کو پھر افاقہ ہوگیا اور ہشاش بشاش ہوگئے۔

مولانا پر عقیدۂ توحید کا شدید غلبہ تھا۔ اس ضمن میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ جس کو مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے سُن کر کہا کہ ان کے حالات میں چوٹی پر رکھنے کے قابل واقعہ ہے جس کا بیان یہ ہے کہ مولانا کے جسم کے حصّہ اسفل پر کبھی کبھی ایسا مادہ اُترتا تھا کہ درد وکرب سے بے چین ہو جاتے اور قدموں اور ہتھیلیوں پر ایسا آماس (ورم) ہو جاتا تھا۔ گویا قدم کی جلد پھٹ جائے گی۔ ایک مرتبہ مولانا نے شہداء کی قبروں پر اُگے ہوئے نیم کے درختوں کی ٹہنیاں کٹوا دیں جن کا سایہ کھیت کے لیے ضرر رساں تھا، اس کے بعد وہی مذکورہ بالا دَورہ پڑ گیا اور بستی میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ شہیدوں نے مولانا کو مبتلا کر دیا۔ اَب دیکھیے کیا ہو، مولانا کو اس کی خبر نو بجے رات کو ہوئی۔ اسی وقت حاجی عبدالرحیم کو طلب فرمایا اور ان سے کہا کہ تمہارے سُپرد ایک اہم کام کرنا چاہتا ہوں بولو کیا کہتے ہو؟ حاجی عبدالرحیم نے کہا پُوچھ کر تو آپ نے مجھے ملول فرمایا، میری جان تو آپ کے لیے وقف ہے۔ آپ صرف حُکم دیجیے، غلام سے کچھ پُوچھنے کی ضرورت نہیں، اگر کوئی ایسا کام بھی ہو جس میں میری جان کام آجاتے تو میری عین کامیابی ہے، مولانا نے فرمایا کہ اچّھا تو پھر شہداء کے مزارات کے اُوپر کی تمام نیمیں جڑ سے کھود کر مجھ کو اطّلاع کرو۔ وہ اللہ کے بندے حکم کے مطابق اسی وقت رات ہی میں گئے اور تمام درخت کاٹ کر رات ہی میں خوش خبری لائے کہ حضرت حُکم کی تعمیل ہوگئی۔ یہ سُن کر مولانا نے فرمایا

الحمدللہ! اور فرمایا کہ بستی والوں کے ایمان کی بربادی کا سامان دیکھ کر موت بھی مکروہ اور دوبھر تھی۔ اب اگر مرنا ہی مقدر ہے تو موت میرے لیے آسان ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ صبح ہی کو افاقہ نمودار ہو گیا اور بہت جلد صحت حاصل ہو گئی اور ایسی توانائی، رعنائی اور بشاشت و شادابی حاصل ہو گئی کہ مولانا واثق الیقین فرماتے تھے۔

"میری والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ تمہارے والد صاحب کی صحت اتنی شگفتہ کبھی نہیں دیکھی تھی۔"

صحت کی اسی توانائی کی حالت میں سفرِ حج پیش آیا کہ جس کا ذکر مناسب موقع پر آئے گا۔

مولانا مجاہدات اور ریاضات میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، طریقہ سلوک کے اُصول اربعہ یعنی قلتُ الکلام، قلتُ الطعام، قلتُ المنام اور قلتُ الاختلاط مع الانام میں سے ہر ایک پر بہ درجۂ اَتم عمل تھا۔ قلۃ الطعام پر اس طرح عمل کیا کہ بیری کی ایک گیلی لکڑی پاؤ بھر وزن کی سایہ میں رکھی اور اس سے تول کر ساری جنس پکانے کے لیے لی جاتی۔ وہ لکڑی جب تدریجاً سایہ میں بالکل خشک ہو جاتی تو اس خشک لکڑی کے ہم وزن گیلی لکڑی لی جاتی وعلی القیاس۔ حتی کہ خوراک گھٹ کر دو تولہ جنس کے بقدر رہ گئی اور اس قلتِ غذا کی وجہ سے معدہ پر خراب اثر پڑ گیا جس کا علاج کرنا پڑا، اور غذا کی مقدار کو بقدر طبّی بڑھانا پڑا، پھر بھی غذا نہایت قلیل رہی، مولانا واثق الیقین فرماتے ہیں کہ ایک وقت میں بمشکل بقدر ایک چھٹانک تک کی غذا کا معمول بن گیا تھا۔

قلتُ المنام کے سلسلے میں یہ بات ضمناً یہاں قابلِ ذکر ہے کہ حضرت ممدوح نہایت بلند پایہ حاذق طبیب بھی تھے، مشاہیر اطبّاء اہم علاجات میں اُن کی طرف رجوع کرتے تھے، اکثر بگڑے ہوئے مریضوں کو حضرت ممدوح کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا واثق الیقین صاحب فرماتے ہیں۔

میں نے اپنے مطب میں بعض مایوس صورتوں میں حضرت والدی علیہ الرحمہ کی بیاض سے مدد لی، اور جس نسخہ کو اختیار کیا وہ تیر بہ ہدف ثابت ہوا، اور ہمیشہ کے لیے میرا پیٹنٹ

نسخہ ہوگیا۔

حضرت مختصر اجزاء کا نسخہ تحریر فرماتے اور وہ نہایت زود اثر ثابت ہوتا۔ لوگ اس کو تعویذ بناکر رکھ لیتے اور اس سے فائدہ اُٹھاتے، حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجرِ مکّی اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے ہدایت فرمادی تھی کہ "صادق الیقین! فنِ طب کو پیشہ نہ بنانا، چنانچہ حضرت نے اس ہدایت پر ایسا عمل فرمایا کہ خاص حلقہ کے علاوہ بالعموم لوگوں کو آپ کا طبیب حاذق ہونا بھی معلوم نہ تھا۔ بہرحال طب کی متداول کتابوں میں الّو کے لیے جو خواص تحریر ہیں ان سے حضرت ممدوح کو خوب واقفیت تھی کہ اگر الّو کو شکار کیا جائے تو جب وہ شکار ہوکر گرتا ہے تو اس کی ایک آنکھ قدرتاً کھلی رہ جاتی ہے اور دوسری بند ہوجاتی ہے، کھلی رہ جانے والی آنکھ میں یہ تاثیر ہے کہ اگر اس کو نکال کر اپنے پاس رکھا جائے تو نیند اُڑ جاتی ہے اور بند ہوجانے والی آنکھ کی تاثیر اس کے برخلاف ہے اس کو نکال کر اپنے پاس رکھنے سے نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ممدوح نے نہایت اہتمام سے الّو کا شکار کیا، کھلی رہ جانے والی آنکھ نکلوائی اور اس کو طبی اُصول سے صاف کرکے اپنی انگشتری کا نگینہ بنالیا۔ سُنا گیا ہے کہ اس انگشتری کو استعمال فرماتے جس سے شب بیداری میں مدد ملتی۔ جب حضرت ممدوح کے اس عمل کی اطّلاع حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہوئی تو اُنھوں نے حضرت ممدوح کو تحسین کے کلمات فرمائے اور پورے واقعہ کو خود بیان فرمایا، نیز یہ فرمایا کہ الّو کی دوسری بند ہوجانے والی آنکھ میرے کام کی تھی، خدا جانے حضرت ممدوح کتنا سوتے ہوں جبکہ موصوف کی چائے نوشی کا شغف بھی مشہور ہے جو شب بیداری میں اعانت کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ تہجّد کے وقت چائے نوشی اکثر بزرگوں کا معمول رہا ہے، حضرت ممدوح کی چائے نوشی میں جو لطافت ونفاست ہوتی تھی وہ مشہور ہے، گنگوہ کے دورانِ قیام میں ایک بار مولانا کی چائے کا ذخیرہ اتّفاقاً کسی وجہ سے ختم ہوگیا۔ آپ نے اپنے خالص ومخلص دوست اور خواجہ تاش مولانا محمد یحییٰ صاحب سے فرمائش کی، کہیں سے چائے فراہم کیجیے۔ اُنھوں نے براہِ راست اپنے شیخ حضرت گنگوہی سے اس کا ذکر کرکے درخواست کی کہ حضرت اجازت مرحمت فرمادیں تو حضرت ہی کے چائے کے ذخیرہ میں سے مولانا صادق الیقین صاحب کو پیش کردوں، حضرت گنگوہی نے وہ بات اسی موقع پر فرمائی تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ میں اعلان

یکے دیتا ہوں کہ میری اشیاء میں سے ہر چیز مولوی صادق الیقین کے لیے نیز تمہارے لیے اصولاً مباح ہے اور تم دونوں میں سے کسی کو اجازت لینے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

حضرت ممدوح کی ابتدائی تعلیم اکتسابِ علوم وحصولِ فضل وکمال کے سلسلہ میں حضرت ممدوح کے والدِ ماجد حضرت حافظ شاہ سراج الیقین نے جو یادداشت چھوڑی ہے یہ ناچیز راقم اسی کو ہی من وعن نقل کرتا ہے کہ اس میں برکت بھی ہے اور اس کی صداقت کا درجہ اس سے بلند ترین ہو سکتا ہے۔ و ہُوَ ہٰذا۔ :

"نورِ بصر، لختِ جگر مولانا حاجی (خلف الصدق، حقیر مؤلف رسالہ ہٰذا) شاہ محمد صادق الیقین صاحب! کتبِ متوسطہ آپ نے مولانا حکیم محمد حسین صاحبؒ مانکپوری سے پڑھیں اور حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے پڑھیں اور باقی کتبِ درسیہ تفسیر و فقہ و منطق وغیرہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ سے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں پڑھیں۔ حضرت مولانا آپ کی ذہانت کی تعریف کرتے تھے، آپ حضرت مولانا کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ آپ طبیب بھی تھے، پھر طب آپ نے حکیم عبدالعزیز سے پڑھا تھا۔ طبیب حاذق تھے، بیعت اوّل آپ نے خاندانِ قادریہ رزاقیہ، فقیر کے ہاتھ پر کی اور اس کی درس گاہ کی سجادہ نشینی اور خلافت آپ کو سپرد کی گئی۔ پھر جب ۱۳۱۰ھ میں بمعیت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ حج کو تشریف لے گئے تو وہاں فقیر کی اجازت سے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی سے بیعت کی اور خواص صحبت حاصل کیے اور حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی معیت میں شیخ القراء قاری عبداللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں چھ ماہ علم قرأت اور تجوید حاصل کی۔

مدینہ منورہ میں حضرت شیخ علی طاہر محدّث مدینہ سے حدیث کی اجازت اور سند لی۔ حدیث مسلسل بالاوّلیت کی سند اور اجازت آپ کو حضرت مولانا شاہ فضلِ رحمن صاحب مرادآبادیؒ سے بھی تھی، بعد واپسی سفرِ حجاز و مقاماتِ مقدسہ بہدایت وارشاد حضرت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے رجوع فرمایا اور پندرہ سال تک آپ سے استفادہ علومِ طریقت کا کرتے رہے اور نعمتِ خلافت سے مشرف ہوئے۔

آپ ہر سال ایک بار کبھی دو بار اور کبھی تین بار گنگوہ جاتے رہتے تھے اور کئی کئی ماہ تک مقیم رہ کر تعلیم و تربیت اور فیضِ باطن حاصل کرتے رہے، زمانہ سلوک میں آپ نے سخت مجاہدات کیے، مہینوں گنگوہ میں

رات رات بھر بیدار رہتے تھے اور غذا مقدارِ قلیل میں کھاتے تھے، حضرت مولانا گنگوہیؒ کی آپ پر خاص توجہ اور شفقت تھی اور آپ کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک روز فرمایا: "مجھ میں اور مولوی صادق الیقین میں کچھ فرق نہیں۔"

ایک روز مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ میں اپنی محرومی کا سبب یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے حضرت کی مجلس کا ادب ہو نہیں پاتا۔ میرے سوا اور حضرت کے خادم اس کو پورے طور پر بجالاتے ہیں۔ مولوی صادق الیقین صاحب کی یہ حالت ہے کہ کبھی بے وضو حضرت کی مجلس میں نہیں بیٹھتے تھے، حضرت کی کوئی چیز بے وضو نہیں چھوتے تھے، بخلاف میرے کہ مجھے مجلس شریف میں کچھ احترام نہیں ہوسکتا تھا۔ ارشاد فرمایا، میں نے اپنے تمام مجمع میں دو با ادب چھانٹے ہیں ایک تم کو دوسرے مولوی صادق الیقین کو۔

آپ اتباع اور پابندیٔ شریعت کے بے حد عاشق اور شیدا تھے۔ آپ کی استعداد فارسی میں بھی بہت کامل تھی اور خط نستعلیق کے خوشنویس تھے، چند کتابیں آپ کی تصانیف ہیں۔ دوبارہ حج کے لیے ۱۳۲۳ھ میں تشریف لے گئے اور ہجرت کی نیت کی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ ساتھ تھے۔ بعد حج مکہ معظمہ میں ۱۳۲۴ھ میں واصل بحق ہوئے، آپ کا مرقد جنت المعلیٰ میں شعبۃ النور کے اندر حضرت سیّد عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مزارِ مبارک کے قریب ہے۔"

حضرت صاحبِ سوانح کی حیاتِ مبارکہ کا خاص واقعہ اُن کے دوسرے سفر حج کا دل چسپ و دلدوز بیان ہے کہ وہ حضرت کی حیات کے آخری ایّام بھی ہیں اور حضرت کی وفات حسرتِ آیات ہی پر ختم ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حج پر روانگی سے قبل جو جو واقعات پیش آئے وہ سرتاپا عشق و محبّت کی کہانی ہیں، جب حضرت ممدوح نے حج کا ارادہ فرمایا تو زادِ راہ کا انتظام اپنے لیے کیا اور اپنے خادم خاص حاجی عبدالرحیم کے لیے کیا لیکن اپنے عزمِ حج اور نظم زادِ راہ کو ایک راز رکھا، اس کی خبر کسی کو نہ کی، حتّٰی کہ اس کو اپنے والد بزرگوار سے بھی پوشیدہ رکھا اور تو کیا کہا جائے خود اپنی رفیقۂ حیات اہلیہ محترمہ تک سے چھپایا، جو حضرت کی صرف بیوی ہی نہ تھی بلکہ اطاعت و خدمت کا جو جذبہ تھا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ اُن کی زرخرید لونڈی ہیں اور شوہر کی خدمت ایک مریدہ کے انداز پر بڑی دُھن اور لگن کے ساتھ اور اخلاص کے ساتھ کرتی تھیں، حضرت کے فیض صحبّت سے وہ رابعہ بصریہ بن گئی تھیں، بڑی عابدہ، زاہدہ، صالحہ بیوی تھیں اور اُن کا شب و روز کا محبوب مشغلہ یہ تھا کہ حضرت پر سو جان سے نثار ہوتی تھیں، بلاشک اُن کا یہ حق تھا کہ وہ

اس راز کی راز دار بنائی جاتیں، لیکن مولانا کا اپنے مولا سے جس راز و نیاز کا معاملہ تھا اس نے حضرت کو کف لسان پہ مجبور کر دیا۔ آخر یہ راز کب تک پوشیدہ رہتا۔ پہلے آپ نے اجازت و خلافت و جانشینی کا معاملہ اسی اخفاء کے ساتھ حیرت انگیز اور رقت خیز طریقہ پر رات کی تاریکی میں اور درگاہ کے اندھیرے میں فرمایا جس کا بیان انشاء اللہ آگے آئے گا۔ اس کے بعد عزم حج کے راز کا افشا چار و ناچار والد بزرگوار کی خدمت میں فرمایا، وہ نہایت متأثر ہوئے، فرمایا کہ میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں تمہارے دم سے آنکھیں روشن ہیں اور تم کو دیکھ کر جسم میں کچھ توانائی آجاتی ہے کیا تم مجھ کو یہاں تنہا چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ تمہاری عدم موجودگی میں میرا آخری وقت کہیں نہ آجائے۔ یہ سن کر حضرت مولانا نہایت متأثر ہوئے اور عرض کیا کہ ابّا میں تو اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکا ہوں اور نذر مان لی ہے۔ میرا تو جانا ضروری ہے۔ اس پر حضرت حافظ صاحب نے فرمایا پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے وہیں قبول فرمائے اور وہیں آسودۂ خاک ہو جاؤں۔ حضرت نے عرض کیا کہ ابّا ابھی تک زادِ راہ کے سلسلے میں کسی درجہ میں کچھ اپنے لیے کیا ہے اور کچھ عبدالرحیم کے لیے، اب اگر آپ بھی عازم ہیں تو بسم اللہ، انشاء اللہ تعالیٰ کچھ ہو ہی جائے گا، اس کے بعد حضرت ممدوح نے سوچا کہ حضرت والا بوڑھے اور کمزور ہیں، ان کی خدمت کے لیے قوی الجثہ رفیق کی ضرورت ہے جس کے لیے مولانا نے مولوی حافظ محمود العافی صاحب کو منتخب فرمایا جو جوان صالح بھی تھے اور رفاقت و خدمت کے لیے نہایت موزوں بھی تھے، کیونکہ حضرت ممدوح کے حقیقی بھانجے اور انھیں کے تربیت کردہ تھے اور حضرت حافظ صاحب کے مطیع و منقاد نواسے تھے۔ اپنے نانا ہی کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی تھے۔

الغرض مولانا نے اپنے والد ماجد اور اپنے بھانجے دونوں کے لیے زادِ راہ کا انتظام کیا۔ اب بات اتنی پھیل چکی تھی کہ حضرت کی اہلیہ محترمہ کو بھی خبر ہو گئی۔ وہ نہایت بے قرار و بے تاب ہو گئیں اور خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ مجھ کو یہاں چھوڑ کر تنہا چلے جائیں گے؟ یہ ہرگز ہرگز نہ ہوگا۔ میں آپ کو کہاں چھوڑ سکتی ہوں، میں تو آپ کے ساتھ ضرور چلوں گی۔ آپ میرے زادِ راہ کی فکر نہ کریں۔ جو کچھ میرے ماں باپ نے دیا ہے اس کو بالکل نکال دوں گی اور سفرِ خرچ کا سامان کر کے آپ کے ساتھ ہو جاؤں گی۔ یہ واضح ہو کہ اہلیہ محترمہ ایک اچھے زمیندار گھرانے کی صاحبزادی تھیں۔ اس وقت ان کے ماں باپ بھی حیات تھے اور پانچ چھ بھائی اچھے حالات کے ساتھ موجود تھے۔ اہلیہ محترمہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں اس لیے بے حد چہیتی تھیں۔ مولانا جیسے رقیق القلب، وفا شعار، حق گزار، سرتاپا محبّت اور سوز و گداز اپنی اہلیہ کے اس انداز

اور گفتار پہ ہمہ تن راضی اور تیّار ہو گئے، جس طریقہ سے موصوفہ نے سوچا تھا، زادِ راہ کا سامان ہو گیا قافلۂ حج کے قافلہ سالار اور والد بزرگوار کے فرزند اطاعت گزار ہو کر حج کے لیے پا برکاب ہو گئے۔ حضرت ممدوح کی خورد سال صاحبزادی بی بی رقیہ خاتون بھی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ تھیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس پُر انوار قافلہ کی روانگی کا منظر چشمِ تصوّر سے دیکھیں اور ناظرینِ کرام کو دکھائیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے جانشین کا جو معاملہ بصیغۂ راز اخفاء کے ساتھ فرمایا اس کو بیان کر دیا جائے۔ جب حضرت ممدوح نے حج کا ارادہ کیا تو جانشین کا انتظام بھی ضروری سمجھا اور یہ ایسی بات ہے جس کو صفاء قلب اور نُورِ بصیرت یا القاء کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کی عمر شریف اس وقت ۳۵ سال کی تھی، صحّت و توانائی نہایت عمدہ تھی، جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ بھلا ایسے بھرپُور اور پُختہ عالمِ شباب میں کسی کو اپنی موت کا گمان بھی ہو سکتا ہے، لیکن مولانا پر حق تعالیٰ نے وہ راز منکشف فرما دیے تھے جن سے سب ناآشنا تھے۔ الغرض آپ نے پردۂ راز میں اجازت و خلافت نامہ مرتب فرمایا اس وقت حضرت کی اولاد میں جو صغیر السن بچّہ تھا آپ نے اسی کو منتخب فرمایا۔ اگرچہ اس نونہال کے دو بڑے بھائی بھی موجود تھے جن کی عمریں سنِ شعور و ہوش مندی کے حدود تک کماحقہ پہنچ چکی تھیں۔ نیز ان میں بڑے مولوی وحید الیقین جو اَب سے چند سال پیشتر مرحوم ہو چکے ہیں، محبوب بھی تھے۔ حتّٰی کہ دادا جان کی آنکھوں کا نور اور دِل کا سرور تھے، جن کی رہائش و پرورش، داشت و پرداخت بوجہ محبّت شدیدہ دادا جان ہی فرماتے تھے اور مستقلاً ان کو ماں باپ سے لے کر اپنا لیا تھا اور اپنے ہی پاس رکھتے تھے، دوسرے صاحبزادے حضرت اظہار الیقین صاحب جو کہ اَب دُنیا سے اُٹھ چکے ہیں۔ اُن کی طرف باپ کی خاص توجہ تھی اور اُن کی تعلیم کا انتظام بھی فرما چکے تھے۔ اُس زمانہ کے ممتاز شیخ اپنے پیر بھائی اور حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کے پاس بھی بھیجا، ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی حضرت موصوف ہی کے لاڈلے خلیفہ ہیں۔[۴]

مولوی اظہار الیقین کو حضرت مولانا نے اپنے اُستاد حکیم الامّت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں بھی بھیجا تھا۔ باوجود ان خصوصیات کے حضرت نے جانشین کے لیے ان دو میں سے کسی کو منتخب نہیں فرمایا بلکہ تیسرے صاحبزادے مولانا واثق الیقین کو چھانٹا جو اس وقت چھ سال کے بچّے تھے اور جن کی صلاحیتیں اس وقت بروئے کار بھی نہ آئی تھیں، یہ کیا ہے؟ نورِ بصیرت ہے یا القاء ربانی والہام یزدانی کہ آپ نے اس کمزور

پودے کے اندر ایک تناور مایہ دار گھنا پھل پھول سے لدا ہوا درخت دیکھ لیا جو اجازت نامہ دستاویز خلافت خاموشی اور رازداری سے مرتّب فرمایا تھا، اس کو بلا اطلاعِ سابق اچانک رات کی تاریکی میں اور اندھیری درگاہ میں مخصوص مخلصین معتمد علیہ صلحاء کو جمع کر کے ظاہر فرمایا، پہلے درگاہ کے اندر اپنے جدِ امجد حضرت شاہ نجات اللہ کے مزار شریف کے پائنتی اپنے خورد سال فرزند کو بٹھا کر بیعت فرمایا اور سر پر عمامہ باندھا اور اجازت و خلافت کی تفصیل ایسے درد انگیز اور رقت خیز لہجے میں اور ایسے پُر اثر انداز میں بیان کی کہ حاضرین کو اندازہ ہو گیا کہ حضرت کی واپسی کی طرف سے حتمی مایوسی ہے۔ سب کا یہ حال ہوا کہ آنسو جاری ہو گئے، اور آہیں پیدا ہو گئیں، چونکہ احادیث میں سُرُج کی ممانعت آئی ہے اور حضرت عارف باللہ مولانا نجات اللہ کی ہدایتوں میں سے ایک یہ بھی ہدایت ہے کہ میرے مزار پر روشنی نہ لائی جائے، اس لیے درگاہ شریف کے اندر شمع و چراغ نہیں جاتا، آپ نے سرہانے والے شمالی مختصر دالان میں جو قبور سے خالی ہے روشنی طلب فرمائی اور اجازت و خلافت نامہ اور دستاویز جانشینی پڑھ کر سنائی اور اس پر صلحاء حاضرین کے دستخط لیے۔ ان سب کو تاکید شدید و بلیغ فرمائی کہ اس معاملہ کو قطعی طور سے راز میں رکھا جائے اور اس کا افشاء ہرگز نہ ہونے پائے۔

کیا اچھا ہوتا کہ سوانح مختصر کا دامن اپنے اندر اس اجازت نامہ کے نقل کی گنجائش دے سکتا۔ انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ اس کے لیے گنجائش نکل سکے۔ آخر کار یوم پنج شنبہ ۳ رشوال ۱۳۲۳ھ کی وہ اہم اور یادگار تاریخ آ گئی جب یہ قافلہ سالار خود واپس نہ آنے کے لیے اپنے قافلہ کو لے کر سفرِ حج پر روانہ ہوا۔

حضرت صاحبِ سوانح کے والد ماجد حافظ محمد سراج الیقین اپنے سفرنامہ "سراج وہاج" میں رقم طراز ہیں کہ

"تیسری شوال، روز پنج شنبہ ۱۳۲۳ھ کو مع اپنے خلف الصدق برخوردار باوقار عالم و فاضل محدّث کامل مولوی حاجی وقاری حکیم شاہ محمد صادق الیقین مدّ عمرہٗ، و نور الابصار، عالی تبار، نواسۂ فقیر مولوی محمود العافی سلّمہٗ و اہلیہ و صبیّہ فرزند موصوف القدر فقیر و میر صادق علی صاحب و حاجی رحیم و گلاب گدی وغیرہ سب دس نفر ہیں۔ اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر راہی منزل مقصود ہو کر لکھنؤ پہنچا۔ یہاں پر ایک شب قیام کر کے جمعہ کو بمبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔ پھر بعنایتِ الٰہی نہایت آرام و آسائش کے ساتھ لکھنؤ سے دس پہر کے عرصہ میں بمبئی پہنچے، جب ہم لوگ بمبئی پہنچے، جناب مولانا خلیل احمد صاحب جو کہ حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہیؒ کے شاگردِ رشید ہیں اور خلیفہ اوّل اور مدرسہ سہارن پور کے افسر مدرس ہیں جس وقت آپ نے سُنا کہ مولوی صادق الیقین آئے ہیں، فوراً ملاقات کو تشریف لائے اور کمال شفقت وعنایت اور تعظیم وتکریم سے پیش آئے۔ جناب مولوی حکیم محمد اسماعیل صاحب گنگوہیؒ، ملقب بہ حکیم اجمیری اور بڑے بڑے عالم فاضل، درویشِ کامل، مثل مولانا محمد اسحاق صاحبؒ مدرس مدرسہ اسلامیہ دہلی و مولوی حاجی عاشق الٰہی صاحب، رئیس میرٹھ و مولوی سیّد احمد صاحبؒ مہاجرِ مدینہ منوّرہ اور مولوی عبدالہادی صاحبؒ واعظ ساکن مدراس اور جو حضرات سُنتے ہیں کہ مولوی صادق الیقین آئے ہیں۔ برابر تشریف لاتے ہیں بکمالِ محبّت وعنایت بہ تعظیم و تکریم پیش آتے ہیں۔

تیئسویں شوال بعد معائنہ ہم لوگ جہاز پر پہنچے، سب حجاج اس جہاز میں نوسو سے زائد ہیں، فقیر کو جو جگہ ملی ہے اس جگہ پر مولانا خلیل احمدؒ صاحب مقیم تھے، آپ نے براہِ عنایت اپنی جگہ فقیر کو عنایت فرمائی اور آپ اس مقام پر تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کے اہل خانہ اور صاحبزادی وغیرہ مقیم تھیں۔ یہ سب پاس لحاظ ہمارے برخوردار مولانا صادق الیقین کا ہے۔ ورنہ ایسے مقام پر ایسی رعایت بہت دُشوار بلکہ ناممکن ہوتی ہے۔

الحمدُ للہ ثُمّ الحمدُ للہ کہ آج بتاریخ ۱۸، روز یک شنبہ کو ہم سب لوگ جہاز سے اُتر کر جدہ شریف آگئے، جدہ شریف سے مکّہ مکرّمہ پُوری دو منزل ہے۔

ہم سب لوگ بعنایت الٰہی اکیس ماہ ذیقعدہ روز چہار شنبہ نماز عصر کے اوّل وقت مکّہ معظّمہ میں داخل ہوکر شرف زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔

برخوردار نورالابصار محمد صادق الیقین صاحب کی طبیعت تو جہاز ہی پر ناساز ہوچکی تھی اور ضعف زیادہ ہوچکا تھا۔ بوجہ ضعف و نقاہت برخوردار موصوف نے شبری پر سوار ہوکر طواف وسعی دونوں سے فراغت حاصل کی۔

علالت بعارضہ پیچش روز بروز ترقّی کرتی رہی حتّٰی کہ بعد فراغتِ حج بالکل صاحبِ فراش ہوگئے۔ چوکی پاخانہ کی چارپائی کے قریب لگادی گئی، انجام کار مرض نے اس قدر طول کھینچا کہ چوکی پر بھی جانا بدون استعانت کسی دوسرے شخص دُشوار ہوگیا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ تیسری محرم الحرام روز سہ شنبہ ۱۳۲۴ھ کو بوقت دس بجے کے قریب خیر البلاد مکّہ معظّمہ میں جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اِنّا للہ وانّا اِلیہ راجعون۔

برخوردار مرحوم و مغفور کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت سے مراتب عُلیا عطا فرمائے تھے۔ وہاں ایک مرتبہ اعلیٰ یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ ایسے مقامِ مقدس میں ان کا انتقال ہُوا جہاں کی موت کی لوگ تمنّا و آرزو رکھتے ہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکّہ معظّمہ، حافظ قاری عبداللہ صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب، ڈاکٹر اکبر خاں صاحب مہاجر وغیرہم کے اہتمام سے جنازہ اُٹھایا گیا حرم محترم شریف کے اندر ملتزم مقدس کے متصل جو خاص بیت اللہ شریف کا دروازہ ہے اس کی دیوار متبرکہ سے ملا کر رکھا گیا، حنفی مصلی کے امام صاحب نے نمازِ ظہر ادا کر کے جماعتِ کثیر کے ساتھ ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، جنت المعلّیٰ (مکّہ معظّمہ کے مشہور قبرستان) میں مدفون ہوئے۔ قبر کے لیے اعلیٰ درجہ کی جگہ ملی جو شعبۃ النور کے نام سے مشہور ہے۔

اسی قبرستان میں حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیوی صاحبہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ و مشاہیر فضلاء کے مزارات بکثرت ہیں، اسی گورستان میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی اور جناب مولانا رحمت اللہ علیہ صاحب مہاجر بھی مدفون ہیں جن کا مدرسہ صولتیہ مکّہ معظّمہ میں مشہور و معروف ہے۔ غرض کہ برخوردار موصوف مرحوم کی خوش نصیبی میں کوئی شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت اور اپنے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طفیل و تصدق اور حرم محترم و معظّم و مکرم کی برکت سے ان کی مغفرت فرمائے اور مقام اعلیٰ پر پہنچائے۔ آمین ثم آمین۔ بحرمۃ طٰہٰ ویٰسین ﷺ

حواشی:

۱- شمائم امدادیہ، ص ۷۶ تا ۱۴۱۔ طبع (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق، حکیم الامت تھانوی، ص ۴۱ تا ۹۷۔ عکس طبع اول (مکتبہ برہان، دہلی ۱۴۰۱ھ)

۲- تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ ص ۲۴۲ تا ۲۵۰ (عکس طبع اول سہارنپور ۱۹۷۷ء)

۳- شمس العارفین، تالیف مولانا سراج الیقین کرسوی۔ ص ۹۴-۹۵ (الفضل المطابع ہردوئی، ۱۳۳۳ھ) اس نسخہ کا عکس پاکستان میں شائع ہو چکا ہے۔

۴- جس وقت یہ مضمون لکھا گیا تھا، حضرت شیخ الحدیث حیات تھے۔ (وفات شعبان ۱۴۰۲ھ)

۵- سراج وہاج پہلی مرتبہ مطبع فخر المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ تقریباً دس سال پہلے پاکستان سے اس کا ری پرنٹ چھپا۔ خدا بخش لائبریری کے جرنل کے تازہ شمارہ (۷۵-۷۷) میں بھی اس کا عکس چھپا ہے۔ یہی اشاعت اس وقت پیشِ نظر ہے۔ صوفی صاحب کی تحریر میں سراج وہاج کے مختلف مقامات کے مسترق الگ الگ اقتباسات ایک مسلسل عبارت کی صورت میں درج ہیں۔ یہاں ہر ایک اقتباس کا علیحدہ حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔ (ن)

۶- سراج وہاج، ص ۴، ۷- سراج وہاج ص ۲۲، ۸- سراج وہاج ص ۲۴، ۹- سراج وہاج ص ۳۴

۱۰- سراج وہاج ص ۳۸، ۱۱- سراج وہاج ص ۳۹، ۱۲- سراج وہاج ص ۴۷، ۱۳- سراج وہاج ص ۴۸-۴۷

ڈاکٹر عبدالواحد صاحب حفظہ اللہ کا مضمون بعنوان "مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت" جس کی پہلی قسط جولائی کے شمارہ میں شائع ہوئی، دوسری قسط ذیل میں شائع کی جارہی ہے۔ ادارہ
اس مضمون میں درج آراء سے متفق نہیں ہے۔ رشید میاں غفرلہ ۹۵-۸-۲۷

مجالس ذکر و درود شریف

کی

شرعی حیثیت

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد

فصل پنجم : اجتماعی صورت میں ذکر کے بدعت ہونے کی تائید

اجتماعی صورت میں ذکر کرنا خواہ جہری ہو یا سرّی ہو بدعت ہے اس کی تائید علامہ ابن الحاجؒ کی اس بات سے بھی ہوتی ہے فرماتے ہیں۔

فالذی ینبغی للعالم الیوم بل یجب علیه ان لا ینظر الی العوائد التی اصطلحنا علیها ولا یکون سلفنا مضوا علیها اذ قد یکون فی بعضها غفلة أو غلط أو سهو ولکن ینظر الی القرون المتقدم ذکرها۔ فان فعل هو منها شیئا

اُس زمانہ میں عالم کے لیے جو مناسب ہے بلکہ اس پر جو واجب ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان رسوم کی طرف نظر نہ کرے جو ہم میں رواج پاگئی ہیں یا ہم سے پہلے لوگوں کا ان پہ عمل رہا ہے کیونکہ یہ بعض باتیں غفلت یا غلطی یا سہو کی وجہ سے قائم ہو جاتی ہیں بلکہ قرون (اُولی) کی طرف نظر رکھے اور اگر ان

مما یراہ مصلحة فی وقته فینبغی
له او یجب علیه ان یبین ذلك
ویعترف بین الناس انه محدث
ویبین السبب الذی لاجله فعل
ذلك ۔ قد کان سیدی ابو محمد
المرجانیؒ یاخذ هذه الاحزاب ویقرأها
جماعة ویذکرها جماعة بعد
الصبح والعصر ولم یزل علی
ذلك دابهؒ الی موته وکان رحمه الله
یخبر ان ذلك بدعة وانما فعله
لضرورة وهی ان الهمم قد قلت
وقل فقیر ان یصلی الصبح او
العصر ثم یقوم یذکر الله تعالیٰ
ویقرأ فی هذین الوقتین المشهودین
الا انهم یقومون من مصلاهم
اما للنوم ان کان فی الصبح أو
للتحدث فیما لا یعنی ان کان فی
العصر ان سلموا من الغیبة والنمیمة
فلما ان تحققوا وقوع هذا المحذور
ودعوه هذا المکروه لان ارتکاب
المکروهات اولی بل اوجب من
ارتکاب المحذورات هکذا یجب
ان تکون المحافظة علی السنن

رسوم میں سے کسی کو مصلحت وقت کی بناء پر
کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس کو تفصیل
سے بیان کر دے اور لوگوں کے سامنے اعتراف
کر لے کہ یہ بدعت ہے اور جس سبب سے
اس کا ارتکاب کر رہا ہے اس کو بھی بیان کر
دے ۔ سیّدی ابو محمّد مرجانی رحمہ اللہ ان احزاب
اوراد کا جماعتی صورت میں فجر اور عصر کے بعد
ذکر کرتے تھے اور آپ کا یہ طریقہ آپ کی موت
تک جاری رہا ۔ لیکن آپ متعلقین کو بتاتے
تھے کہ یہ بدعت ہے اور وہ اس کو محض ضرورت
کی بناء پر کر رہے ہیں اور وہ ضرورت یہ
ہے کہ ہمتیں کم ہو گئی ہیں اور کم ہی فقیر (صوفی)
ایسے ہیں جو فجر یا عصر پڑھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر
اور قرأت میں ان دو مشہود وقتوں میں مشغول
ہوں ۔ عام طور سے فجر کی نماز کے بعد مصلی
سے سونے کے لیے اُٹھتے ہیں اور عصر کے
بعد لایعنی باتوں کے لیے اُٹھتے ہیں ۔ یہ بھی
اس صورت میں ہے جبکہ اُن کی باتیں چغل خوری
اور غیبت سے خالی ہوں ۔ جب اُن کو اس
حرام میں مبتلا ہونے کا تحقق ہوا تو حرام کو
اس مکروہ کے بدلے میں چھوڑا کیونکہ مکروہات
کا ارتکاب حرام کے ارتکاب سے بچنے
کے لیے اولیٰ بلکہ واجب ہے اسی طرح

وحفظها فينبه الناس عليها و يعلمهم بالعوائد المتخذة انها ليست منها و يخبرهم بالضرورات التى كانت سببا لفعلها ولاجل الغفلة عن هذا التنبه وقع ما وقع من الادعاء بها بانها سنة السلف والخلف لان الغالب على الناس تحسين ظنهم بمشايخهم وعلمائهم و انهم لا يخالفون و انهم على سبيل الاتباع و ترك الابتداع - الا ترى انهم قالوا من لم يرخطأ شيخه صوابا لم ينتفع به فيحمل لاجل هذا ما يصدر منهم على انه سنة مامور بها

سُنّتوں کی محافظت اور حفاظت ضروری ہے لہٰذا لوگوں کو ان باتوں پر تنبیہ کرے اور ان کو بتائے کہ اختیار کردہ رسوم سُنّت نہیں ہیں اور ان کو بتائے کہ کس وجہ سے ان کو اختیار کیا ہے۔ اسی تنبیہ و تنبّہ سے غفلت کی بناء پر یہ دعوے وجود میں آئے کہ یہ رسوم سلف و خلف کی سُنّت ہے کیونکہ لوگوں پر اپنے مشائخ و علماء کے بارے میں حسن ظن غالب ہوتا ہے کہ وہ سُنّت کی مخالفت نہیں کرتے اور وہ اتّباع سُنّت اور ترک بدعت کے طریقے پر ہیں کیا دیکھتے نہیں ہو کہ یہاں تک کہا ہے کہ جو اپنے شیخ کی خطا کو درستگی نہ سمجھے۔ اسے نفع حاصل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے لوگ اپنے مشائخ کی ہر بات کو مامور بہا اور سُنّت سمجھتے ہیں۔

(المدخل، ص: ۹۳، ج۱)

دیکھیے علّامہ ابن الحاج رحمہ اللہ کس طرح ابو محمّد المرجانی رحمہ اللہ کا یہ قول بلا نکیر نقل کرتے ہیں کہ اجتماعی صُورت میں ذکر اور اوراد کی قرأت بدعت اور مکروہ ہے۔

اس عبارت پر ہم دو تنبیہیں ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

"تنبیہ نمبر ۱: سُنّت و بدعت کے تقابل کے وقت سُنّت سے مُراد وہ ہے جس کے لیے شرع میں کوئی دلیل ہو بدعت سے مُراد وہ ہے جس کے لیے شرع میں کوئی دلیل نہ ہو۔

جاننا چاہیے کہ بدعت کے مقابلہ میں جب سُنّت کو بولا جاتا ہے تو اس سے مُراد ہوتی ہے وہ چیز جس کے لیے شرع میں کوئی دلیل ہو۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"... بلکہ اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ جو شی قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو وہ سُنّت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو وہ بدعت ہے اَب سُنو کہ وجود شرعی اصطلاح اُصول فقہ میں اس کو کہتے ہیں جو بدون شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو پس اس شے کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہُوا خواہ صراحتاً ارشاد ہو یا اشارۃً و دلالۃً۔ پس جب کسی نوعِ ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شے وجودِ شرعی میں آ گئی۔ اگرچہ اس کی جنس ابھی خارج میں نہ آئی ہو... اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم کا اثبات قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مُظہرِ حکم کا ہے مُثبت حکم کا نہیں ہوتا۔ پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب و سُنّت ہی سے ثابت ہوتا ہے۔"

(براہین قاطعہ، ص: ۳۲)

نیز فرماتے ہیں

"اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہُوا یا نہ ہُوا وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔" (براہین قاطعہ، ص: ۳۲)

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اجتماعی صُورت میں ذکر خواہ سرّی ہو یا جہری ہو اصل اعتبار سے بدعت و مکروہ ہے اور اس کے جواز کے لیے شریعت میں کوئی دلیل نہیں بلکہ اس کے عدم جواز پر نص موجود ہے تو اس سے بعض حضرات کا یہ توہم دُور ہو جانا چاہیے کہ ہم یہ مجالس فرض و واجب یا سُنّت سمجھ کر نہیں کرتے کیونکہ عوام سُنّت کو سُنّتِ فقہی سمجھتے ہیں اور اس کے متبادل مستحب یا مباح تو ضرور خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ مستحب و مباح تو وہ ہوتا ہے جس کے جواز پر شرعی دلیل موجود ہو اور یہ بھی بڑے محتاط قسم کے لوگوں کا معاملہ ہو سکتا ہے ورنہ تو جیسا کہ علّامہ ابن الحاج رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے عوام اس کو سُنّت ہی اعتقاد کرتے ہیں بایں معنی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے تو اس میں کتنا بڑا مفسدہ ہے کہ ایک امرِ مکروہ اور بدعت کو سُنّت اعتقاد کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ کسی مباح یا سُنّتِ زائدہ کو سُنّتِ مقصودہ اعتقاد کرنا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس مباح اور سُنّتِ زائدہ کو علی الوجوب ترک کر دیا جائے تو مکروہ و بدعت میں ایسا اعتقاد تو بطریقِ اولیٰ ترک کا موجب ہو گا۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

"اگر کسی مامور بہ میں کوئی مفسدہ ہو تو وہاں مفسدہ کی اصلاح کر دی جاتی ہے ۔مگر مباح میں جب صلاح دشوار ہو نفسِ فعل کو ترک کر دینا لازم ہوتا ہے بلکہ مباح تو کیا چیز ہے اگر سُنّتِ زائدہ میں ایسے مفاسد کا احتمال قوی ہو اس کا ترک مطلوب ہو جاتا ہے ۔ یہ سب قواعد کتُبِ شرعیہ اُصولیہ و فرعیہ میں موجود مذکور ہیں . . . البتّہ یہ شبہہ شاید ہو سکے کہ جس کو غلو ہو اُس کو روکنا چاہیے اور محتاط خوش عقیدے کو کیوں روکا جائے تو اُس کا جواب اُوپر کی تقریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس طرح ضررِ لازم سے بچنا واجب ہے اسی طرح ضررِ متعدی سے بھی ۔جس حالت میں کسی شخص نے گو احتیاط کے ساتھ یہ عمل کیا مگر دوسرے دیکھنے والے اس سے سند پکڑ کر بے احتیاطی کرتے رہے تو ضرر متعدی ظاہر ہے۔

اب اس قاعدے و حکم کی تائید کے لیے ایک آدھ نظیر پیش کرتا ہوں۔

کسی نعمتِ جدیدہ کی خبر سُن کر سجدہ شُکر کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے اور پھر بھی ہمارے امام ہمام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں ، چنانچہ کُتُبِ فقہ میں مذکور ہے اس کی وجہ بقول علّامہ شامی صرف یہی ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ عوام اس کو سُنّت مقصودہ نہ سمجھ جاویں۔اب ملاحظہ فرمایئے کہ عوام کے غلط اعتقادی کے احتمال ہر خواص کے لیے بھی وہ فعل مکروہ قرار دیا گیا ، حالانکہ جواز اس کا نص سے ثابت ہے اور مسنون ہونا بھی اس کا مسلم ہے مگر سُنّت زائدہ ہے ۔سُنّت مقصودہ نہیں ۔جب عقیدے میں اتنے فرق سے حُکم کراہت کا کر دیا جاتا ہے ۔

دوسری نظیر یہ ہے کہ درمیان اذان واقامت مغرب کے درمیان دو رکعت نفل پڑھنا حدیث سے ثابت اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں ۔اس کی وجہ بھی یہی احتمال اعتقاد سُنّت مقصودہ ہے ۔ اس احتمال کا موجب کراہت ہونا خود حدیث سے ثابت ہے ، چنانچہ اسی حدیث تَنَفُّلُ بین الاذان والاقامۃ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تیسری بار میں ارشاد فرمایا لِمَنْ شَاءَ اس کی وجہ راوی فرماتے ہیں ۔ کراھۃ ان یتخذھا الناس سنۃً

تیسری نظیر یہ ہے کہ صلوٰۃ جنازہ میں فاتحہ پڑھنا احادیث سے ثابت اور امام ابو حنیفہؒ اس کو منع فرماتے ہیں۔ یہاں بھی یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ اصل میں دعا ہے اور حضورؐ سے فاتحہ جو ثابت ہے وہ بطریق دعا ہے سو اگر کوئی علی وجہ التلاوت پڑھے مکروہ ہے صرف اتنا تفاوت ہے کہ جو چیز علی وجہ الدعاء پڑھی جاوے اس کو علی وجہ التلاوت کسی نے پڑھ دیا تو کراہت آجاتی ہے۔ پھر صرف اسی شخص کو منع نہیں کیا بلکہ مطلقاً منع کر دیا تاکہ یہ عادت شائع نہ ہو۔

اور بھی بے شمار اس کے نظائر فقہیہ موجود ہیں۔ ان سب نظائر سے یہ امر کالشمس فی نصف النہار واضح ہو گیا کہ جس طرح اپنے عقیدہ و دین کی حفاظت ضروری ہے عوام کے عقیدہ و دین کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اب ممکن ہے کہ بعض کرنے والے احتیاط کر لیں، مگر عوام جو اُن کے معتقد و مقلد ہیں اُن کو نہ ان خرابیوں پر نظر ہے نہ ان سے بچنے کی احتیاط نہ ان کو یہ خبر ہے کہ ہمارے بزرگوں کے اور ہمارے عمل میں کیا فرق ہے صرف اُنھوں نے یہ دیکھ لیا کہ ہمارے فلاں بزرگ یہ عمل کرتے ہیں پس خود بھی جس طرح چاہا کرنے لگے۔ (مواعظ میلاد النبی، ص: ۲۴۳، ۲۴۴)

خیال یہ ہے کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے یہ ساری تفصیل مباح و مستحب کاموں کے بارے میں ذکر کی ہے، مکروہ و بدعت کے بارے میں نہیں۔ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ جیسے لوگوں نے تو یہ جرأت کی کہ اپنے متعلقین کو بتا دیا کہ ہم مکروہ و بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اُن کے سامنے ہمارے جیسے دور کی بے احتیاطی و بدعقیدگی نہیں ہوگی۔ آج کل تو عام طور پر بہت سے حضرات کو اس کا شعور و ادراک نہیں ہوتا کہ خاص اس کام کی شرعی حیثیت اصل میں کیا ہے تو وہ اپنے متعلقین کو کیا بتائیں گے اور اس کی جرأت کس میں ہوگی کہ کہے کہ ہم گو ضرورت ہی کی خاطر ایک مکروہ و بدعت کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اور ویسے تو اصل سے ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ کا مسلک ہی کمزور و ضعیف ہے جیسا کہ اگلی تنبیہ میں ہم بیان کر رہے ہیں۔

تنبیہ نمبر ۲: بعض حضرات کا مسلک کہ محرمات سے بچنے کے لیے یا دیگر اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے مکروہات کا ارتکاب جائز ہے۔

اگرچہ بعض حضرات وقتی ضرورت اور مصلحت کی بناء پر محرمات سے بچنے کے لیے مکروہات کے ارتکاب کو اس کی شرائط کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں جیسا کہ علامہ رحمہ اللہ کی عبارت سے ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ کا طرزِ عمل سامنے آیا، لیکن سلسلہ سیّد احمد شہید رحمہ اللہ اور اکابر دیوبند رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک اس سے مختلف ہے۔

مولانا گنگوہی رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی مکاتبت میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے یہ لکھ کر کہ

"... اور یوں خیال ہوتا ہے کہ اگر خود ایک مکروہ کے ارتکاب سے دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو تو اللہ تعالیٰ سے اُمید تسامح ہے... بہر حال میرے خیال میں یہ اُمور خلاف اولیٰ ضرور ہیں مگر بمصالح دینیہ ان کے فعل میں گنجائش نظر آتی ہے..."

ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ جیسے حضرات کے طرزِ عمل کو اختیار کیا۔ اس کے جواب میں مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے صاف فرمایا۔

"فی الحقیقت جو امرِ خیر کہ بذریعہ نامشروعہ حاصل ہو وہ خود ناجائز ہے"

اسی بناء پر گنگوہ تھانہ بھون اور رائے پور جو کہ اکابر دیوبند کی خانقاہیں تھیں، ان میں اجتماعی صورت میں ذکر یا وقتی مصلحت و ضرورت کی بناء پر کسی مکروہ و بدعت کو اختیار نہیں کیا گیا اور ہمارے اکابر کا مسلک ہی اسلم و احوط ہے جس پر تجربہ و مشاہدہ کافی و شافی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں اسی میں سُنّت پر پُورا عمل اور بدعت سے کلی طور پر اجتناب ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

ان مذکورہ تنبیہات سے بعض حضرات کے اس اشکال یا استدلال کا جواب بھی بخوبی معلوم ہوگیا کہ بعض خانقاہوں میں اجتماعی طور پر ذکر اور درود شریف کی مجالس ہوتی تھیں۔ ہم ان حضرات کے بارے میں سوء ظن نہیں رکھتے لیکن ہمارے سامنے جو دلائل ہیں اور حضرت سیّد احمد شہید اور اکابر دیوبند کا جو مسلک و مذہب ہے اس کی روشنی میں ہم اُن کے طرزِ عمل کو مرجوح یا مؤوّل خیال کرتے ہیں۔

دوسرا اشکال اور اس کا حل

بعض حضرات کا خیال ہے کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے خارجِ مسجد اجتماعی صورت میں ذکر کے جواز پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

① اخرج الحاکم عن شداد بن اوس قال انا لعند النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اذ قال افعلوا ایدیکم فقولوا لا الہ الا اللہ ففعلنا فقال اللّٰھم انّک بعثتنی بھذہ الکلمۃ وامرتنی بھا ووعدتنی علیھا الجنۃ انّک لا تخلف المیعاد ثم قال ابشروا فان اللہ قد غفر لکم

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس تھے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تم اپنے ہاتھ اُوپر اُٹھاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اے اللہ آپ نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اسکا حکم فرمایا اور اس پر مجھ سے جنّت کا وعدہ فرمایا بلاشبہ آپ وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا خوشخبری حاصل کرو کیونکہ اللہ نے تمہیں بخش دیا ہے

(الحاوی للفتاوی، ج:۱)

حل ہم کہتے ہیں کہ حدیث کی دعوے پر دلالت مخدوش ہے کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معلّم ہونا مسلم ہے اور قوی احتمال ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا بھی کسی ضرورت سے تعلیماً کرایا ہو جس کے جواز کے ہم قائل ہیں اور تعلیماً ہونے پر یہ قرینہ بھی موجود ہے کہ یہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معمول مستمر نہیں تھا۔

② اخرج الامام احمد فی الزھد عن ثابت قال کان سلمان فی عصابۃ یذکرون اللہ فمر النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فکفوا فقال ماکنتم تقولون قلنا نذکر اللہ اللہ قال انی رایت الرحمۃ تنزل علیکم فاحببت ان اشارکم فیھا ثم قال الحمد للہ الذی جعل

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور سب لوگ اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم وہاں سے گزرے تو یہ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پُوچھا تم لوگ کیا کر رہے تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مَیں نے رحمت تم پر نازل ہوتے دیکھی تو مَیں نے چاہا کہ اس میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ

فی امتی من امرت کے لیے ہیں جس نے میری اُمّت میں ایسے لوگ بنائے
ان اصبر نفسی معھم کہ مجھے حکم دیا گیا کہ میں اپنے آپ کو اُن کے ساتھ
(ایضاً) روکوں۔

اس روایت میں نہ تو اس بات پر کوئی دلالت موجود ہے کہ وہ اجتماع تداعی کے ساتھ ہُوا تھا اور نہ ہی اس بات پر کوئی دلالت موجود ہے کہ شرکائے مجلس نے ایک ہی کلمہ کا ذکر کرنے کا التزام کیا تھا اور جس مجلسِ ذکر میں یہ دونوں باتیں مفقود ہوں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث بھی مدعا پر دلیل نہیں بن سکتی۔

تنبیہ نمبر ۳: اجتماعی صُورت میں ذکر کی مجالس کا معمولات مشائخ میں سے ہونا۔

حضرت مولانا مفتی سیّد عبدالشکور ترمذی مدظلہ العالی کے فتوٰی کی فوٹو سٹیٹ نقل ہمیں ہمیں ایک واسطے سے ملی۔ یہ فتوٰی بعینہٖ یُوں ہے۔

"احقر کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ مشائخ عظام کے یہاں یہ مجالس ذکر بطور علاج کے ہوتی ہیں اور ان کی تربیت کا یہ حصّہ ہیں اسی لیے کسی جگہ یہ ہوتی ہیں کسی جگہ نہیں ہوتیں کیونکہ تربیت کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک ہی طریقہ سب کے لیے نہیں ہوتا اس لیے جن مشائخ کے یہاں یہ معمول ہو اُن کو اس پر عمل کرنا علاج سمجھ کر مفید ہوگا۔ دوسری جگہ از خود اس طرح نہ کیا جائے یہ معمولات مشائخ میں سے ہیں اُن کو سُنّت نہ سمجھا جائے۔

سُنّت سمجھ کر اجتماعی ذکر کی مجالس منعقد کرنا اور اُن کے لیے تداعی قرآن و سُنّت کی روشنی میں مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتوٰی جاری کردہ ۲۲ صفر ۱۴۱۵ھ)

اس کے بارے میں ہم کچھ وضاحتیں کرنا چاہتے ہیں۔

اوّل تو حضرت مدظلہ العالی نے بھی مشائخ کے یہاں کی مجالس ذکر کے مسنون ہونے کی نفی کی جس کا مطلب مذکور قاعدے کے مطابق یہ ہے کہ اس کے جواز کی شرع میں کوئی دلیل نہیں ہے ورنہ کم از کم یہ ہے کہ یہ نہ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے منقول اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل شدہ۔ اس سے واضح طور سے معلوم ہُوا کہ احادیث میں ذکر کے جن حلقوں اور مجالس کا ذکر ہے۔ وہ معمولات مشائخ کی مجالس سے مختلف تھیں اور اُن کے مابین فرق اسی میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دَور میں

اجتماعی صورت میں ذکر نہیں تھا اور جنہوں نے کہا صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان پر فوری اور سخت نکیر کی۔

دوسرے حضرات مدظلہ نے ان کے لیے تداعی کو بھی مکروہ کہا اور یہی ہم بھی ثابت کر آئے ہیں۔

تیسری بات جس سے حضرت مدظلہ العالی نے اپنے فتوی میں زیادہ تعرض نہیں کیا وہ مجالس ذکر کا معمولات مشائخ میں سے ہونا ہے۔ اس نقطہ کو ہم قدرے تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

مولانا گنگوہی رحمہ اللہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ بغور ملاحظہ کریں کہ اشغال مشائخ کی قیود و تخصیصات جو کچھ ہیں وہ اصل سے بدعت ہی نہیں۔۔۔ تحصیل نسبت اور توجہ الی اللہ مامور من اللہ تعالیٰ ہے اگرچہ یہ کلی مشکک ہے کہ ادنیٰ اس کا فرض اور اعلیٰ اس کا مندوب اور صدہا آیات و احادیث سے مامور ہونا اس کا ثابت ہے۔

پس جس چیز کا مامور بہ ہونا اس درجہ کو ثابت ہے، اس کی تحصیل کے واسطے جو طریقہ مشخص کیا جاوے گا۔ وہ بھی مامور بہ ہوگا اور ہر زمانہ و ہر وقت میں بعض مؤکد ہو جاویگا اور بعض غیر مؤکد۔ لہٰذا ایک زمانہ میں صوم و صلوٰۃ و قرآن و اذکار مذکورۂ احادیث اس مامور بہ کی تحصیل کے واسطے کافی و وافی تھے۔ اس زمانہ میں یہ اشغال بایں قیود اگرچہ جائز تھے مگر ان کی حاجت نہ تھی۔ بعد چند طبقات کے جو رنگ نسبت کا دوسری طرح پر بدلا اور طبائع اس اہل طبقہ کے سبب بعد زمانہ خیریت نشان کے دوسرے ڈھنگ پر آگئیں تو یہ اوراد اس زمانہ کے اگرچہ تحصیل مقصود کر سکتے تھے مگر بدقت و دشواری۔ لہٰذا طبیبانِ باطن نے کچھ اس میں قیود بڑھائیں اور کمی و زیادتی اذکار کی کی۔ گویا کہ حصول مقصود ان قیود پر موقوف ہو گیا تھا۔۔۔

مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے بڑی صراحت سے یہ بات فرمائی ہے کہ مشائخ کی قیودات اور ان کے اشغال و معمولات اصل سے بدعت نہیں اور جائز ہیں۔ بالفاظ دیگر ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ مشائخ اپنے لیے صرف ان چیزوں کو معمولات بنا سکتے ہیں جو اصل سے بدعت نہ ہوں اور جو جائز ہوں۔

ایک طرف تو یہ مذکورہ بالا قاعدہ ہمیں حاصل ہوا اور دوسری طرف ہم یہ جان چکے ہیں کہ اجتماعی ذکر اصل ہی سے بدعت اور ناجائز ہے۔ لہٰذا قاعدے کی رو سے اجتماعی ذکر کو معمول بنانا اور اس کو علاج کے لیے عمل میں لانا جائز نہیں۔

البتہ اگر شیخ ضرورت کی وجہ سے یوں کریں کہ جن کو ضرورت ہو ان کو خانقاہ میں بلا لیں یا خانقاہ نہ ہو تو کسی اور جگہ میں مثلاً مسجد میں ان کو ٹھہرنے کو کہیں اور ہر ایک کو ضرورت کا ذکر اس کا طریقہ بتا دیں کہ

کہ ہر شخص اجتماعی صورت اختیار کیے بغیر اپنا اپنا ذکر کرے۔ اس طرح مجلس ذکر بھی حاصل ہو جائے گی اور علاج بھی میسر ہو جائے گا، لیکن اس مجلس ذکر سے سُنّت کی نفی صحیح نہیں ہوگی بلکہ یہ تو بعینہٖ ویسی ہی مجلس ذکر ہوگی جیسا کہ دَورِ صحابہ میں پائی جاتی تھی۔

اور اگر ہم ان لوگوں کی بات کو بھی لے لیں جو ضرورت کے لیے مکروہ کے ارتکاب کو جائز قرار دیتے ہیں تو جاننا چاہیے کہ جو ضرورت کی وجہ سے ہو وہ بقدر ضرورت ہوتا ہے لہٰذا اوّل تو مشائخ کو یہ دیکھنا ہوگا کہ متعلقین میں سے کس کو اجتماعی ذکر کی ضرورت ہے اور کس کو نہیں۔ پھر جن کو ہے اُن کے لیے کتنے اجتماع کی ضرورت ہے۔ ایک شخص کے ساتھ ایک اور کا اجتماع کافی ہے یا دو کا یا زیادہ کا۔ لہٰذا فقط جس کو ضرورت اور جتنے اجتماع کی ضرورت ہو اس کے لیے اجتماع مہیّا کیا جائے۔ اس سے زیادہ کا اہتمام یا عمومی اجتماعی ذکر کرنا اور کرانا تو ان حضرات کے نزدیک بھی جائز نہیں ہوگا۔

خیر الفتاوی ص ۷۰۸، ج ۲ میں حضرت مولانا مفتی عبدالستار مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار کسی ہیئت خاصہ کی بناء پر تھا نفس اجتماعی ذکر پر نہ تھا اجتماعی ذکر کی ایک شکل یہ ہے کہ سب ذاکرین قصداً آواز ملا کر ذکر کرنے کا التزام کریں یا ایک کہلائے باقی مجمع اس کے پیچھے اسی کلمہ کو دُہرائے جیسے بچّوں کو گنتی یا پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں۔ اجتماعی ذکر کی یہ دونوں صورتیں محل کلام ہیں اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذاکرین ایک جگہ مجتمع ہوں اور سب اپنا اپنا ذکر کریں کسی دوسرے کے ذکر کی طرف قطعًا متوجہ نہ ہوں۔ وقت و محل کی وحدت کے اعتبار سے یہ اجتماعی ذکر ہے، لیکن نفس ذکر کے لحاظ سے انفرادی ہے۔ یہ دُرست ہے پس ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار پہلی دوسری قسم کے بارے میں ہو جس کا آپ نے وہاں مشاہدہ کیا۔" ص ۷۰۸

اجتماعی صورت میں ذکر جہری کو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بھی صحیح تسلیم نہیں کیا، البتہ اس فتوٰی میں اجتماعی صورت میں ذکر سری سے تعرض ہی نہیں کیا گیا اور اس کے عدم جواز کا حکم ہمیں خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ملا جیسا کہ سنن دارمی کی روایت سے معلوم ہوا۔

گزشتہ فصلوں کا حاصل کلام

مندرجہ ذیل نکات

① مجلس ذکر کے لیے تداعی جائز نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

(۲) اجتماعی صورت میں یعنی جبکہ ذاکرین یہ التزام کریں کہ سب ایک ہی ذکر کریں، ذکر خواہ ذکر سرّی ہو یا جہری ہو، بدعت و مکروہ ہے۔ چاہے مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور اگرچہ اجتماع بغیر تداعی کے ہُوا ہو۔

(۳) تعلیم کی غرض سے اجتماعی صورت میں ذکر کرانے کو بقدر ضرورت اختیار کیا جا سکتا ہے لیکن اس کو معمولات مشائخ میں داخل کرنا صحیح نہیں کیونکہ مشائخ کے معمولات میں فقط وہ چیزیں داخل ہو سکتی ہیں جو اصل سے جائز ہوں اور بدعت نہ ہوں۔

(۴) وہ مجالس ذکر جو تداعی سے بھی خالی ہوں اور جن میں کسی ایک خاص ذکر کرنے کا التزام بھی نہ کیا گیا ہو پھر خواہ شرکاء مجلس کا ذکر علیحدہ علیحدہ ہو یا اتفاقیہ ایک ہی ہو، ایسی مجالسِ ذکر جائز ہیں اور احادیث میں جن مجالس ذکر کا تذکرہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے اُن کی یہی صورت تھی۔

اجتماع کے تمام فوائد بغیر کسی مفسدہ و خرابی کے اندیشہ کے اسی قسم کی مجالس میں حاصل ہو سکتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی قسم کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم ہُوا۔ ہر صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ اس کا تداعی سے کچھ واسطہ نہیں۔

مولانا زکریا رحمہ اللہ فضائل ذکر میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ان ہی جیسے احکام سے صوفیہ نے استنباط کیا ہے کہ مشائخ کو بھی مریدین کے پاس بیٹھنا ضروری ہے کہ اس میں علاوہ فائدہ پہنچانے کے اختلاط سے شیخ کے نفس کے لیے بھی مجاہدۂ تامہ ہے کہ غیر مہذّب لوگوں کی بدعنوانیوں کے تحمل اور برداشت سے نفس میں انقیاد پیدا ہوگا اس کی قوّت میں انکسار پیدا ہوگا۔ (فضائل ذکر ص: ۵۳)

(۵) رقیہ و علاج اور دفع مصائب کے لیے اجتماعی ذکر اور قرآن خوانی اور ختم خواجگان و ختم بخاری شریف جائز ہیں۔ کیونکہ یہ عبادت اور ثواب کے طور پر نہیں ہوتے۔ البتہ عوام میں ایک عام معمول کے طور پر ان کو رواج دینے کی تحریک کرنا صحیح نہیں۔

فصل ششم: بعض مروّجہ مجالسِ ذکر اور اُن کے احکام

(۱) ایک شخص نے حضرت حسنؒ سے پُوچھا کہ اے ابوسعید تم ہماری اس مجلس کو کیسا سمجھتے ہو کہ ہم اہلِ سنّت

والجماعت کے چند آدمی جو کسی پر طعن نہیں کرتے ایک گھر میں جمع ہو جاتے ہیں - آج ایک شخص کے گھر میں کل دوسرے کے گھر میں اور جمع ہو کر قرآن خوانی کرتے ہیں اور اپنے لیے اور عام مسلمین کے لیے دُعا کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت حسنؒ نے اس کو نہایت شدّت سے منع کیا۔ ایسے ہی ابن عبّاس اور طلحہ رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے۔ (امداد المفتیین، ص ۲۰۹)

مجلس درود شریف

یہ بھی جب تداعی کے ساتھ ہو اور اجتماعی صُورت پر مشتمل ہو تو بدعت و مکروہ ہے۔

بعض حضرات نے درود شریف کے لیے ایک صُورت یہ اختیار کی ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں جب عصر کے فرضوں سے امام سلام پھیرتا ہے تو امام سمیت تمام یا اکثر (یا بعض) مقتدی فرضوں کے بعد کے اوراد و تسبیحات کے ساتھ (دُعا سے پہلے ہی) اسی مرتبہ یہ درود شریف پڑھتے ہیں

اللّٰھم صلّ علی محمّدِ النّبی الامی وعلی آلہ وسلّم تسلیما اس سے فراغت

کے بعد دُعا ہوتی ہے۔

یہ طریقہ بھی واجب الترک ہے۔ کیونکہ اس میں زیادت فی الدّین ہے۔ فرائض کے بعد جو اوراد و ں شریعت نے بتائے ہیں ان میں دُرود شریف کا یہ وظیفہ شامل نہیں ہے۔ مسائل اور اوراد و کی کتابیں اس پر گواہ ہیں۔ ایک ایسے وظیفہ کو جو عصر کی نماز سے بالکلیہ یعنی دُعا سے بھی فارغ نفرادی اور غیر اجتماعی صُورت میں کرنے کا ہے اس کو نماز کے ملحقات میں سے کر دیا اور اسے صُورت بھی دے دی۔ یہ بھی قبیح بدعت ہے۔

مکان و دکان کے افتتاح کے لیے اجتماعی قرآن خوانی۔

مفاسد مذکورہ یعنی تداعی، اجتماعی صُورت میں ذکر، سبب داعی قدیم ہونے کے باوجود خیر القرون جود نہ ہونے کے سبب سے یہ طریقہ صحیح نہیں، البتہ برکت کے لیے اجتماع کے اہتمام کے آن خوانی مفید ہے۔

ایک سوال کہ طریق شاذلیہ میں ذکر جلی بافراط لوگوں کو لے کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ کے جواب میں مولانا تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"پس بعد ثبوت مشروعیت جہر کسی طور و ہیئت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ بوجہ

اطلاقِ ادلّہ مطلق ہے خواہ منفرد ہو یا مجتمع حلقہ باندھ کر ہو یا صف باندھ کر یا کسی اور صورت سے کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ہر طور سے جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ص ۱۵۴/۵)

اس سے کسی کو شبہہ ہو کہ اجتماعی صورت میں ذکر کا جواز ملتا ہے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو یہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے اوائل دور کا فتوٰی ہے۔ یعنی ۱۳۰۴ھ کا جو کہ مولانا گنگوہی رحمہ اللہ سے مکاتبت سے بھی پہلے کا دور ہے۔ دوسرے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قصہ سے معلوم ہو چکا کہ اجتماعی صورت میں ذکر جہری بھی بدعت و مکروہ ہے لہٰذا ادلّہ مطلق کہاں رہے بلکہ مقید ہوتے۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی اپنی کتاب راہ سنّت میں فرماتے ہیں۔

"سوال یہ ہے کہ کیا اجتماعی صورت میں اور وہ بھی مسجد میں جہر سے ذکر کرنا اور اسی ہیئت کے ساتھ جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا وہ اس کو منع کرتے اور اس کو بدعت کہتے ہیں؟ آپ نے صحیح روایات سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ ان دونوں کو بدعت اور اُن پر عمل کرنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں اور اُن کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں۔"

(راہ سنت، ص: ۱۲۹)

مولانا مدظلہ العالی کی یہ عبارت اس بات میں واضح ہے کہ اجتماعی صورت میں ذکر جہری بدعت و مکروہ ہے۔

⑥ بعض مقامات پر جمعہ کے دن اذان جمعہ کے بعد مسجد میں جمع ہو کر اس طرح سورۂ کہف پڑھتے ہیں کہ ایک آدمی زور سے ایک رکوع پڑھتا ہے اور دوسرے سنتے ہیں اس طرح یکے بعد دیگرے زور سے پڑھتے ہیں جس سے نمازیوں اور وظیفہ خواہ حضرات کا حرج ہوتا ہے۔

اس بارے میں جواب یہ ہے کہ جمع ہو کر بلند آواز سے پڑھنے کی رسم غلط ہے۔ متفرق طور پر اس طرح پڑھیں کہ کسی کی نماز اور وظیفہ میں خلل نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔ علامہ ابن الحاجؒ کتاب المدخل میں تحریر فرماتے ہیں۔ واما اجتماعهم لذلك فبدعة كما تقدم واللہ تعالیٰ اعلم یعنی جمعہ کے دن سورہ کہف مسجد وغیرہ میں جمع ہو کر پڑھنے

سے منع کیا جائے کہ یہ بدعت ہے۔ ص ۸۱ ج ۲ (فتاوٰی رحیمیہ، ص ۲۴۷، ج ۱)

⑦ بعض حضرات نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ اپنے متعلقین کو جمع کرتے ہیں اور دیگر معمولات کے ساتھ یہ معمول بھی اختیار کیا ہے کہ ایک صاحب دُرود شریف کے مختلف صیغے کچھ آواز سے پڑھتے ہیں اور باقی حضرات خاموشی سے بیٹھ کر سُنتے ہیں۔

یہ طریقہ بھی صحیح نہیں۔ قرآن پاک کا سماع تو منقول اور ثابت ہے دیگر اذکار و درود کے سماع کو معمول بنانا منقول نہیں۔ خاموش بیٹھ کر سُننے کے بجائے دوسرے حضرات متفرق طور پر اپنے اپنے ذکر میں مشغول رہیں تو دُرست اور سُنّت طریقے پر رہیں۔

⑧ الف : دفع مصائب کے لیے جو ختم پڑھا جاتا ہے وہ بطورِ علاج خواہ آیت کریمہ کا ختم ہو یا کلمہ طیّبہ یا آیۃ الکرسی کا . . . جب اس کی شان معالجہ کی ہے تو بدعت کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ب : اسی طرح ختم بخاری شریف بھی (دفع مصائب) کے لیے طریقہ علاج ہے نہ کہ تعبدًا۔

قرأ كثير من المشائخ	بہت سے مشائخ اور علماء اور ثقہ لوگوں
والعلماء والثقات صحيح	نے صحیح بخاری کو قرأت کے حصول
البخاري لحصول المرادات و	اور اہم کاموں میں کفایت اور حاجتوں
كفاية المهمات وقضاء الحاجات	کے پُورا ہونے اور مصائب کے دُور ہونے
ودفع البليات وكشف الكربات	اور پریشانیوں کے دُور ہونے اور امراض
وصحة الامراض وشفاء المريض	کی صحّت اور بیماروں کی شفا کے لیے تنگی
عند المضائق والشدائد فحصل	اور مصیبت میں کی ہے تو اُن کی مُراد حاصل
مرادهم و فازوا لمقاصد	ہُوئی اور اُن کو اپنے مقاصد میں کامیابی
هم و وجدوه كالترياق	ہُوئی اور اُنھوں نے اس عمل کو تریاق کی
مجربا وقد بلغ هذا المعنى	طرح مجرب پایا۔ اور یہ بات علمائے حدیث
عند علماء الحديث مرتبة	کے نزدیک شہرت و استفاضہ کے مرتبہ
الشهرة والاستفاضة	کو پہنچی ہوئی ہے۔

اھ مقدمۃ لا مع ص ۲۳ فتاوٰی محمودیہ، ص : ۱۴۴، ج ۱۲)

اسی طرح دفع مصائب کے لیے اجتماعی طور پر قرآن پاک پڑھنے یا اکتالیس مرتبہ سورہ یٰسین پڑھنے یا سوا لاکھ مرتبہ آیت کریمہ پڑھنے کے بارے میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اس طرزِ عمل سے چونکہ مقصود رقیہ و علاج ہے نہ کہ ثواب و عبادت لہٰذا اس میں عدم ثبوت مضر نہیں۔" (احسن الفتاوٰی، ص: ۳۶۰، ج ۱)

(۹) ایک صاحب عبدالرشید پانی پتی نام کے اُنھوں نے مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ کی طرف ایک استفتاء بھیجا جس میں یہ تحریر ہے۔

"عرض ہے کہ حضرت اقدس۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے حکم فرمایا کہ اس وقت فتنوں کا دور ہے اکابرین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب کوئی مصیبت اور فتنہ سر اُٹھاتے ہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا اور دُرود شریف کی کثرت کراتے ہیں، چنانچہ دلائل الخیرات، قصیدہ بردہ حصن حصین کی وجہ تالیف مشہور ہے تو حضرت نے فرمایا کہ درود شریف کی کثرت کرو، مساجد میں گھروں میں دُرود شریف کی مجالس کرو تاکہ اللہ پاک کی ناراضگی دُور ہو۔ اسی وجہ سے ہم نے سکھر میں اپنی مسجد میں دُرود شریف کی مجلس شروع کی۔ جمعہ کا دن مقرر کیا تاکہ سب ساتھی آسانی سے شریک ہوسکیں اور طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کھجور کی گٹھلیوں پہ درود شریف پڑھتے ہیں اس کے بعد دُعا کرلیتے ہیں اس کا ہمیں یہ فائدہ ہُوا کہ بریلوی طبقہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہونے لگا اور اُن کے بھی عقائد صحیح ہوگئے اس کے بعد ہم نے ایک اور مسجد میں بروز پیر بعد نماز عشاء دُرود شریف کی مجلس شروع کی . . . ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے بزرگ ہمیں کبھی بھی ایسی چیز کا حکم نہیں دے سکتے جو بدعت ہو۔ ان مجالس کی وجہ سے ہمارے ساتھی ہزاروں مرتبہ درود شریف پڑھ لیتے ہیں۔"

ہم کہتے ہیں کہ اس میں چند باتیں خاص توجہ کی طلب گار ہیں۔

الف: اُوپر کے فتاوٰی سے معلوم ہُوا کہ دفع مصائب کے لیے جو وظائف پڑھے جاتے ہیں وہ عبادت و ثواب کی خاطر نہیں ہوتے بلکہ بطور رقیہ علاج ہوتے ہیں۔ اس استفتاء سے معلوم

ہُوا کہ جناب ۔۔۔۔۔ صاحب نے دُرود شریف کی مجالس بطور رقیہ و علاج کرنے کی ہدایت کی ہے لیکن مستفتی ذکر کرتے ہیں کہ ان مجالس کی وجہ سے ہمارے ساتھی ہزاروں مرتبہ درود شریف پڑھ لیتے ہیں اگر ان پڑھنے والوں کو یہ علم ہو کہ ان کا یہ پڑھنا ثواب و عبادت کے طور پر نہیں ہے بلکہ محض رقیہ و علاج کے طور پر ہے تو وہ تشکّراً یہ کیوں ذکر کریں کہ ہمارے ساتھی ہزاروں مرتبہ درود شریف پڑھ لیتے ہیں۔

ب : نیز مبنیٰ کچھ ہے اور بناء کچھ اور ہے۔ مبنیٰ تو ہے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلہ سے دعا اور دُرود شریف کی کثرت کرانا اور بناء جو قائم کی ہے وہ یہ ہے کہ گھروں میں مساجد میں درود شریف کی مجالس کرو حالانکہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلہ سے دُعا اور درود شریف کی کثرت کوئی مجالس پر موقوف نہیں ہے۔

ج : رقیہ و علاج کے طور پر مجالس کرنے کی عمومی تحریک پہلے مشائخ نے کبھی نہیں کی۔ خود اُنھوں نے ختم خواجگان کر لیا یا اور وظیفہ انفرادی یا اجتماعی کر لیا لیکن اپنے تمام متعلقین بلکہ عوام کو اس کی تلقین کرنا کہ وہ مجالس منعقد کریں ایسا پہلے کبھی نہیں ہُوا اور عوام مجالس کے بطور رقیہ اور بطور تعبد ہونے کے درمیان فرق نہ تو کر سکتے ہیں اور نہ ہی کر رہے ہیں اس طرح سے جناب ۔۔۔۔ صاحب نے مجالس دُرود شریف کا ایک سلسلہ شروع کرا دیا ہے جو صحیح عقیدہ والوں کو اہل بدعت کے قریب تر کر رہا ہے اس سے خبردار اور محتاط رہنے کی سخت ضرورت ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے اجتماعی ذکر یا قرآن خوانی

ایسے اجتماع کی دو بڑی قسمیں ہیں :

(الف) وہ اجتماع جو بعد دفن اہلِ میّت کے پاس ہو خواہ کہیں ہو اور جب بھی ہو بالاتّفاق ناجائز اور مکروہ ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

کنا نری الاجتماع الی اھل المیت	ہم (یعنی حضرات صحابہ کرام) میت کے گھر جمع
وصنعۃ الطعام من النیاحۃ	ہونے کو اور میّت کے گھر کھانا تیار کرنے کو
(ابن ماجہ ص: ۱۱۷ و مسند احمد)	نوحہ سمجھتے تھے۔

مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا ہے کوئی قید نہیں ہے کہ کس واسطے جمع ہونا تھا خواہ محض تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے کو اور مطلق کو مقید کرنا بالرای حرام ہے اور طعام بھی مطلق ہے ...

اس حدیث کو تمام فقہاء نے قبول فرمایا۔ دیکھو کہ حدیث جریر میں دو امر کا ذکر ہے اجتماع الی اہلِ میت اور صنعۃ الطعام جس سے معلوم ہوا کہ دونوں امر کو صحابہ شنیع جانتے تھے اور ہر ہر امر کو بدعت و معصیت فرماتے تھے نہ کہ مجموع من حیث المجموع کو مگر مجموعہ کی کراہت اس سے لازم ہے۔

(براہین قاطعہ، ص: ۱۰۴)

صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں۔

"عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است"

بعینہٖ یہی بات شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمائی۔

"عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است" (بحوالہ راہ سُنّت، ص: ۲۶۶)

مولانا سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"پس اس کو ہی (یعنی جو حدیث جریر کے ذیل میں مذکور ہوا) سفر السعادۃ کہتا ہے کہ اجتماع عادت صحابہ کی نہ تھی ... جبکہ وہ قرون خیر و ثواب کے حریص اور نفع رسانی مسلم کی حیّا و میّتا مشغوف اس کام کو بُرا جان کر ترک کریں تو کسی دوسرے کو کرنا اگر بدعت نہ ہوگا تو کیا ہووے گا"

(براہینِ قاطعہ، ص: ۱۰۶)

رہا اس بات کا بیان کہ اہلِ میّت کے پاس قرآن خوانی کے لیے اجتماع کی کراہت مطلق ہے جب بھی ہو تو مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"شرح منہاج (کی اس عبارت الاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث و تقسیم الورد والعود والطعام الطعام فی الایام الخصوص کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشھر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ) میں تین چیز کا ذکر ہے۔ قبر پر تیسرے

دن جمع ہونا اور عود اور ورد کی تقسیم مطلقاً قبر پہ ہونا یا غیر قبر پہ کسی روز ہو اور کھانا کھلانا ایام مخصوصہ میں اور ہر سہ کو وہ بدعت کہتا ہے اور اصل یہ ہے کہ حدیث جریر میں اجتماع الی اہلِ میّت کو منع فرمایا ہے اور اس میں کوئی تعین یوم کی نہیں اور نہ تعین قبر کی۔ پس مطلق جمع ہونا بدعت ہے اور قبر پہ ہر روز سوم جمع ہونا بھی فرد اس اجتماع کی ہے تو ہر چند مطلق اجتماع تو ممنوع ہے مگر ہر شخص اپنے ملک کی رسم کو منع کرتا ہے صراحۃً۔ تو شارح منہاج کی بلاد میں اجتماع علی القبر یوم ثالث ہوتا تھا اس نے اس کی تصریح کی، حالانکہ یہ قید واقعی ہے نہ احترازی کیونکہ حدیث جریر میں عموماً سب کو منع لکھا ہے . . . بہرحال اجتماع خواہ روز سوئم ہو یا پس و پیش قبر پہ ہو (یا غیر قبر پہ) حدیث جریر سے ممنوع ہے۔" (براہینِ قاطعہ ص: ۱۲۹)

ایک اعتراض

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفنائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا، ہم بھی آپ کے ساتھ دیر تک وہی پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے اللہ اکبر پڑھا ہم بھی یہی پڑھتے رہے۔ پھر حضرت سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ان کو قبر نے دبا لیا تھا۔ اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے ان پر قبر ہر طرف سے فراخ ہو گئی۔

مذکورہ بالا قسم کے اجتماع کے لیے بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن نہ سہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے میّت کے واسطے مل کر ذکر اللہ ہی کر لیا۔ لہٰذا جواز کے واسطے ایک اشارہ عند الفقہاء کافی ہے۔

جواب:

مولانا سہارن پوری رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جس اجتماع کو مکروہ و بدعت کہا گیا ہے وہ وہ اجتماع ہے جو دفن کے بعد دوبارہ ختم و قرآن کے واسطے یا بغیر اس کے اہلِ میّت کے پاس ہو خواہ کہیں بھی ہو۔ جبکہ اس قصّہ میں جو اجتماع مذکور ہے۔ وہ دفن میّت کے لیے تھا جو کہ فرض کفایہ ہے۔

(۲) اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ذکر جہری کیا۔ یہ نہ تو ایصالِ ثواب کے لیے تھا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایصالِ ثواب کی دعا فرمائی۔

مولانا رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"سفر السعادۃ قصداً ختم میت کے واسطے جمع ہونے کو کہتا ہے اور وہ اجتماع لدفن میت تھا۔ اس میں ضرورت اس ذکر کی ہوگئی تو اس کو فرمایا۔ غرض اجتماع للمیت جو مراد سفر السعادۃ کی ہے اس میں اور اجتماع میں جو دفن میت کے واسطے تھا کہ فرض کفایہ ہے اور اس میں ذکر کر دیا۔ فرق زمین آسمان کا ہے۔ اس کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔ پس یہ بھی نہ خلاف سفر السعادۃ کے ہے اور نہ حجت جواز اجتماع کی ہو سکے، کیونکہ سفر السعادۃ اس اجتماع کو بدعت کہتا ہے کہ بعد دفن میّت کے دوبارہ ختم قرآن کے واسطے یا بغیر اس کے اہلِ میّت کے پاس جمع ہوں کہیں ہوں گور پر یا غیر گور پر اور اس کو ہی حدیث جریر میں نیاحت میں داخل کیا ہے ... معہذا یہ جاننا ضرور ہے کہ فخرِ عالم نے ذکر بجہر یہاں کیا ہے نہ ایصالِ ثواب اس کا اور جہر سے دو کلمے فرماتے تھے، ورنہ خفی تو آپ کا ہر حال لازم تھا اس کا بھی خیال رہے۔" (براہینِ قاطعہ ص۱۰۷)

(۲) ایک اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ذکر دفع مصیبت کے لیے تھا اور بطورِ علاج تھا۔ اس غرض سے جو اجتماع ہو وہ جائز ہوتا ہے اور ایصالِ ثواب کے لیے اجتماع کی نوعیت سے مباین نوعیت رکھتا ہے۔

(ب) ایسا اجتماع جو اہلِ میّت کے پاس نہ ہو۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

(۱) بعض علماء نے جن میں صاحب سفر السعادۃ بھی ہیں اس اجتماع کو بھی مطلقاً ناجائز و مکروہ کہا ہے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کا تعامل نہ تھا۔ علاوہ ازیں جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو غزوہ موتہ کی خبر ملی اور زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ اور جعفر طیّار رضی اللہ عنہم کی شہادت معلوم ہوئی۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں غمگین بیٹھے رہے اور صحابہ کی ایک جماعت بھی حاضر تھی۔ اسی طرح شہداء بیرِ معونہ کی خبر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو پہنچی تو یہی حال ہوا لیکن کوئی اجتماعی قرآن خوانی یا ایصالِ ثواب کے لیے مجلسِ ذکر نہیں کی گئی۔

(۲) صاحب فتح القدیر نے قبر پر جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ تعالیٰ جائز کہا اور بعض دیگر علماء نے جمع ہو کر قرآن پڑھنا لوجہ اللہ کسی وقت غیر معین میں جائز کہا اور یہ جواز اس کے ساتھ مشروط ہے کہ اجتماع مباح ہو۔ بدعت نہ ہو یعنی اس کے لیے تداعی نہ کی گئی ہو۔

فتح القدیر میں ہے۔

واختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا عند القبر والمختار عدم الکراھة

یہی بات مولانا محمد اسحاق صاحب رحمہ اللہ نے مائۃ مسائل کے جواب میں لکھی۔

حافظاں را برائے قرأۃ قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است

علامہ عینی شرح ہدایہ کے باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں:

ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر	بلاشبہ مسلمان ہر دور اور ہر زمانے میں
وزمان ویقرؤن القرآن ویھدون ثوابه	جمع ہو کر قرآن پڑھتے اور اس کا ثواب اپنے
لموتاھم وعلی ھذا	مردوں کو ہدیہ کرتے رہے ہیں۔ اس پر
اھل الصلاح والدیانة من کل	ہر فقہی مذہب کے اہلِ صلاح و دیانت لوگوں
مذھب من المالکیة والشافعیة	خواہ وہ مالکی ہوں یا شافعی وغیرہ ہوں۔ کا
وغیرھم ولا ینکر ذلک	عمل رہا ہے اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا
منکر فکان اجماعا۔	لہٰذا یہ اجماع ہوا۔

خزانۃ الروایات میں ہے

در سپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند	سپارہ پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے اگر پڑھیں
چناں خوانند کہ یک دیگر نہ شنوانند	تو اس طرح پڑھیں کہ ایک دوسرے کو نہ سنائیں۔

اس قول اور اس کی مؤید مذکورہ بالا عبارات کی وضاحت میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں اور خزانۃ الروایات کا فیصلہ اس قرأت جماعت میں ہے کہ وہ اجتماع بدعت نہ ہو جیسا جمعہ کو جامع مسجد میں لوگ پڑھتے ہیں اس کو فیصلہ کرتا ہے اور ایسا ہی مولانا اسحاق رحمہ اللہ نے اجتماع جائز میں یہ فرمایا سو ہم کو بھی کچھ عذر نہیں کہ اگر مجمع مباح ہے اس میں آہستہ پڑھنا چاہیے۔۔۔۔ لاریب جمع ہو کر قرآن آہستہ پڑھنا درست مگر وہ جمع ہونا مباح ہونا چاہیے۔۔۔ علی ہذا روایت عینی شرح ہدایہ سے حال اجتماع مختلف فیہ کا دریافت ہوا نہ مبحوث عنہ متفق الکراہت۔۔۔ براہینِ قاطعہ ص: ۱۱۲، ۱۱۱

اس دوسرے قول کی تفصیل ہم نے محض نفس مسئلہ بتانے کے لیے ذکر کی ورنہ تو قاعدہ مشہورہ و معروفہ کہ مفاسد سے بچنے کے لیے مباح بلکہ سنّتِ زائدہ کو بھی ترک کرنا واجب ہوتا ہے۔ موجودہ حالات

اسی کے مقتضی ہیں کہ اس صورت کو بھی ترک کرنا ضروری سمجھا جائے۔ اس پر تفصیلی کلام پہلے گزر چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) ایصالِ ثواب کے لیے وہ اجتماع جو اہلِ میّت کے پاس ہو خواہ جب بھی ہو اور کہیں بھی ہو، بالاتّفاق ناجائز اور مکروہ ہے۔

(۲) ایصالِ ثواب کے لیے وہ اجتماع جو اہلِ میّت کے پاس نہ ہو، لیکن اس کے لیے تداعی کی گئی ہو یہ بھی بالاتّفاق ناجائز ہے۔

(۳) ایصالِ ثواب کے لیے وہ اجتماع جو نہ تو اہلِ میت کے پاس ہو اور نہ ہی اس کے لیے تداعی کی گئی ہو اس کے جواز میں اختلاف ہے۔

(الف) صاحب سفر السعادۃ نے اس کو ناجائز کہا ہے۔

(ب) دیگر بعض حضرات نے اس کو جائز کہا ہے۔

چونکہ پہلی دو قسموں کے متفق علیہ ناجائز اور مکروہ اجتماع کا عوام میں شیوع ہے اور وہ لاعلمی کی وجہ سے (بلکہ بہت سے عام علماء بھی) یہ لیاقت نہیں رکھتے کہ جائز و ناجائز اجتماعات کے درمیان فرق کرسکیں اور وہ جائز سے ناجائز کے جواز پر قیاس فاسد میں مُبتلا ہوتے ہیں یا اُن کے مُبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ لہٰذا مفاسد سے بچنے کے لیے اس قسم سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مولانا نعیم الدین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ حدیثوں کا انتخاب

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حمادؒ کو بہت سی وصیتیں کی تھیں جن میں سے ایک وصیت یہ تھی۔

"ان تعمل بخمسة احاديث جمعتها من خمس مائة الف حديث انما الاعمال بالنيات ولكل امرئٍ مانوى، من حسن اسلام المرء تركه ما يعنيه، لا يؤمن احدكم حتى يحب لاخيه ما يحب لنفسه ، ان الحلال بين والحرام بين و بينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه و عرضه ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام كراع يرعى حول الحمى يوشك ان يقع فيه الا وان لكل ملكٍ حِمىً الا و إن حِمَى الله محارمه الا وان في الجسد مضغة اذا اصلحت صلح الجسد كله و اذا فسدت فسد الجسد كله و هي القلب ، المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده "[1]

(اے میرے پیارے بیٹے) پانچ حدیثوں پر عمل کرنا جنھیں میں نے پانچ لاکھ احادیث سے منتخب

---

[1] مجموعہ وصایا امام اعظم ص: ۶۲

کیا ہے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ (آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، دوسری حدیث یہ ہے کہ (آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز (دُنیا یا آخرت میں) اس کے لیے فائدہ مند نہ ہو اس کو چھوڑ دے، تیسری حدیث یہ ہے کہ (آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے (مُسلمان) بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے چوتھی حدیث یہ ہے کہ (آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) بلا شُبہہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے سو جو شخص شُبہہ والی چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کرلیا اور جو شخص شُبہہ والی چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ جائے گا جیسا کہ چرواہا اپنا ریوڑ (کسی کھیت کی) باڑھ کے قریب چرائے تو عنقریب ایسا ہوگا کہ کھیت میں بھی اس کا ریوڑ چرنے لگے گا۔ خبردار ہر بادشاہ نے (اپنے قانُون وضع کرکے ایک) باڑھ لگا دی ہے اور اپنی رعایا کے لیے، حدبندی کردی ہے۔ بلا شُبہہ اللہ کی حدبندی کی ہُوئی چیزیں وہ ہیں جن کو اس نے حرام قرار دیا ہے، خبردار انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ دُرست ہوگا تو سارا جسم درست ہوجائے گا اور جب وہ ٹکڑا بگڑ جائے گا تو سارا جسم بگڑ جائے گا، خبردار وہ ٹکڑا دل ہے۔ پانچویں حدیث یہ ہے کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کامل مُسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مُسلمان محفوظ رہیں"۔

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری رحمہ اللہ (م ۱۳۰۴ھ) "مصابیح الدجیٰ شرح مصابیح الہدیٰ" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ

"امام ابوداؤد رحمہ اللہ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن میں سے چار ہزار آٹھ سو حدیثیں میں نے اپنی اس کتاب (سنن ابی داؤد) میں جمع کردی ہیں جو سند کے لحاظ سے صحیح یا صحیح کے قریب ہیں۔

انسان کو دین پر عمل کرنے کے لیے اُن میں سے چار حدیثیں کافی ہیں"[1] پھر آپ نے وہی چار حدیثیں ذکر فرمائیں جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح نے اپنی وصیّت میں نمبروار ذکر فرمائی ہیں۔

---

[1] دیباچہ سنن ابی داؤد طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی اپنے ایک خلیفہ کو پُر مغز نصیحت

حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ (م ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) فرماتے ہیں۔

"سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے اپنے ایک خلیفہ کو خلافت عنایت فرمائی اس زمانے کے دستور کے مطابق پگڑی باندھی اور کچھ وصیتیں کیں اور کہہ دیا کہ تم میری طرف سے نائب اور خلیفہ ہو جاکر لوگوں کی تربیت کرو، اصلاح کرو۔ ان خلیفہ نے رُخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمائیے تاکہ مَیں اس نصیحت پر کاربند رہوں۔ حضرت نے دو باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ نہ تو نبوّت کا دعوٰی کرنا اور نہ خدائی کا دعوٰی کرنا۔ خلیفہ یہ سُن کر حیران و پریشان ہُوئے کہ حضرت آپ کا خادم۔ غلام برسوں آپ کی صحبت میں رہا کیا مجھ سے یہ ممکن ہے کہ مَیں خُدائی کا دعوٰی کروں یہ تو فرعون کا کام ہے اور کیا مجھ سے یہ ممکن ہے کہ مَیں نبوّت کا دعوٰی کروں جو نبی کے غلاموں کا غلام ہو وہ کب نبوّت کا دعوٰی کرے گا؟ تو حضرت نے یہ کیسی نصیحت فرمائی۔ نصیحت فرماتے کہ بھائی عبادت میں ثابت قدم رہنا، اخلاق کی حفاظت کرنا۔ مخلوق کی اصلاح کرنا اور یہ کہ خُدائی کا دعوٰی نہ کرنا، نبوّت کا دعوٰی مت کرنا، یہ تو ہم لوگوں سے ممکن ہی نہیں۔ اس نصیحت سے کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فرمایا کہ اس کے معنے سمجھ لو پھر بات سمجھ میں آجائے گی۔

فرمایا کہ خُدا کی ذات وہ ہے کہ جو کہہ دے وہ اٹل ہو اگر وہ چاہے کہ زمین بنے تو زمین بن کر رہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نہ بنے ارادۂ خداوندی پر مُراد کا مرتّب ہونا قطعی اور لازمی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ ارادہ فرمائیں اور وہ پُورا نہ ہو وہ تو قادرِ مطلق ہے اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اگر وہ ارادہ کرے کہ جہان بنے تو اسے محنت کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اسباب فراہم کریں۔ وہ اسباب کے محتاج نہیں۔ اسباب کے تو وہ خالق ہیں وہاں تو منشا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے تو اللہ کی ذات وہ ہے کہ جو وہ ارادہ کرے اور کہہ دے وہ اٹل ہو ٹلنے والی چیز نہ ہو۔

اور دعوٰیٔ نبوّت کے معنے یہ ہیں کہ نبی کی شان یہ ہے کہ جو وہ فرما دے وہ حق ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کی زبان سے کوئی ناحق چیز نکلے۔ جو نبی فرمائیں گے وہ حق ہوگا اور جو کرکے دکھائیں گے وہ بھی حق ہوگا ناحق کا وجود نبی کے ساتھ ممکن نہیں ہے نبی جو کہے گا وہ حق ہوگا اور اس کے خلاف باطل ہوگا۔ نبی کی جانبِ خلاف کبھی حق نہیں ہوسکتی۔ اگر تم نے جاکر یہ کہا کہ جو میں کہہ رہا ہُوں وہی حق ہے، اور

میری رائے اتنی حق ہے کہ کوئی دوسرا سامنے نہیں آسکتا ہے تو یہ دَر پَردہ نبوّت کا دعوٰی ہوگا۔ مَیں تم کو اسی کی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ دعوٰی نہ کرنا۔ نبوّت کا دعوٰی کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم یُوں کہو کہ مَیں نبی ہوں۔ بلکہ اپنے اندر خاص وہ شان پیدا کر کے جو نبی کے اندر ہوتی ہے یُوں کہے کہ جو مَیں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے اس کے خلاف سَب باطل ہے اس چیز کا مدّعی بننا دَر پَردہ نبوّت کا دعوٰی ہے اور جو یُوں کہے کہ جو مَیں نے ارادہ کرلیا ہے۔ وہ ہوکر رہے گا۔ دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔ مخلوق کٹ جائے خُون بہہ جائے مگر یہ ہو۔ یہ دَر پَردہ خدائی کا دعوٰی ہے۔ یہ خُدا کا کام ہے کہ جو وہ ارادہ فرمائے وہ اٹل ہو تو مَیں نے جو یہ کہا ہے کہ خُدائی کا دعوٰی نہ کرنا اس کا یہ مطلب ہے کہ اپنے ارادے کو یُوں مت سمجھنا کہ یہ اٹل ہے اور ہونا ہی چاہیے اور اس کے خلاف ممکن نہیں، حالانکہ ہر چیز میں تمہارا خلاف ممکن ہے یہ تو ہُوا دعوٰی خُدائی کا حاصل اور دعوٰی نبوّت کا حاصل کہ جو تمہاری زبان سے نکل جائے اس پہ جمے رہو گویا کہ اس کے خلاف باطل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے وہ خُدا کا مقام ہے اور یہ نبی کا مقام ہے تو حضرت شیخ نے بڑے بلیغ پیرائے میں نصیحت فرمائی۔ ظاہر میں تو بڑی وحشت ناک نصیحت تھی کہ خُدائی کا دعوٰی نہ کرنا نبوّت کا دعوٰی مت کرنا۔ مگر جب معنی بیان کیے خُدائی اور نبوّت کے تو سمجھ میں آگیا۔ معلوم ہُوا کہ بہت سے آدمی دَر پَردہ خُدائی کا دعوٰی کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جو جمود کرتے ہیں کہ وہی صحیح ہے جو ہم کر رہے ہیں وہ دَر پَردہ نبوّت کا دعوٰی کرتے ہیں۔ ورنہ ان پر کوئی وحی یا الہام آرہا ہے کہ وہی حق کہہ رہے ہیں۔ دوسرا حق کہہ ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ مسئلہ جو قرآن و حدیث سے ثابت شُدہ ہے اس کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہی حق ہے۔ اس کے خلاف ہرگز نہیں۔ ہاں اپنی رائے اور فکر کے بارے میں یہ کہیں کہ یہ ہی حق ہے یہ نہیں ہونا چاہیے۔"[1]

انتہائی اخلاص کا عجیب واقعہ

حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"کرامات الاولیاء میں ہے کہ ایک بزرگ جو قرشی کہلاتے تھے، جذامی تھے، اُن کی بیوی بھی نہ تھی۔ ان کے ایک مرید کی لڑکی نے سُنا کہ شیخ کو نکاح کی ضرورت ہے (تو) اس لڑکی نے دین پہ اپنی دُنیاوی حیا کو نثار کر کے باپ سے کہا کہ معلوم ہُوا ہے کہ

---

[1] امارات شرعیہ شمولہ منتخب تقریریں، ص ۲۳

آپ کے شیخ کو ضرورت نکاح کی ہے آپ جاکر کہیں کہ میری بیٹی حاضر ہے اور وہ نکاح آپ سے کرنے پر راضی ہے۔ مرید نے جاکر شیخ کی خدمت میں عرض کیا، شیخ بھی تیار ہوگئے، غرضکہ نکاح ہوگیا۔ اب شب کو شیخ بیوی کے پاس پہنچے تو اس حالت میں کہ نہایت تندرست جوان، نہایت حسین، بڑی بڑی آنکھیں، پتلے پتلے ہونٹ، لمبی صراحی دار گردن، اس لڑکی نے منہ چھپا لیا اور سوال کیا کہ تم کون ہو فرمایا کہ میں تیرا ہوں، تیری دین داری کی وجہ سے میں نے خدا سے دعا کی مجھ کو اللہ نے ایسی قوت تصرف کی عطا فرما دی کہ صورت بدل سکوں۔ اب میں تمہارے پاس اسی شان سے آیا کروں گا۔

وہ لڑکی جواب دیتی ہے کہ اس میں تو میرا حظِ نفس شامل ہوگیا۔ میں نے تو محض اللہ کے واسطے آپ کی خدمت کو قبول کیا تھا، اب یا تو اس صورت کو چھوڑ دو، ورنہ مجھ کو چھوڑ دو۔"[1]

بقیہ: درس حدیث

تو بھی یہی ہوگا وہ چلتا رہے گا اُس کے سارے عمل جتنے ہوں گے۔ اُن میں اُس کا ثواب کم نہیں ہوگا، اور اُس کو مزید ثواب ملتا رہے گا تو اس طرح کی جو نیکیاں ہیں وہ تم نے اُن کی دیکھی ہیں۔ یہ فرماتی ہیں پھر مجھے تسلی ہوگئی کہ اُن کا حال اچھا ہے اللہ کے ہاں، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزیں تعلیم فرمائی ہیں اور بتلائی ہیں۔ انسان کو علمِ دین حاصل کرنا چاہیے۔ معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ اللہ ہم سب کو علم اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بقیہ: سیرۃ مبارکہ

سورج اور زمین و آسمان کو بھی خالق وقادر ذوالجلال نے اس کے لیے مسخر کر دیا ہے وہ ہر ایک پر حکم چلا سکتا ہے جس کو چاہے اپنے کام میں لا سکتا ہے۔

یہ ہے انسان کی حیثیت اسلام کی نظر میں اور خود فراموشی یہ ہے کہ انسان اپنی اس حیثیت سے اور اس حیثیت کے بموجب جو اُس کے فرائض ہیں اُن سے غافل ہو۔

---

[1] الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۰۷

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : معالم العرفان فی دروس القرآن (جلد نمبر ۱۵)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتّب : الحاج لعل دین ایم اے

صفحات : ۸۶۴

سائز : $\frac{۲۶ \times ۲۰}{۸}$

ناشر : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ۲۳۰/-

"معالم العرفان" کی جلد نمبر ۱۳ و نمبر ۱۴ پر راقم کے قلم سے تبصرہ گزر چکا ہے۔ قارئین اسے ملاحظہ فرمالیں۔ ہماری جو رائے اُن کے بارے میں تھی وہی رائے "معالم العرفان" کی پندرہویں جلد کے بارے میں ہے۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر "معالم العرفان" کی پندرہویں جلد ہے اس جلد میں درج ذیل نو سورتوں کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ① سورۃ ص ② سورۃ زمر ③ سورۃ مومن ④ سورۃ حم سجدہ ⑤ سورۃ الشوریٰ ⑥ سورۃ زخرف ⑦ سورۃ دخان ⑧ سورۃ جاثیہ ⑨ سورۃ احقاف اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضرت صوفی صاحب کے ان افادات کو قبول فرما کر تکمیل کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

عمدہ کتابت وطباعت اور ڈائی دار جلد کے ساتھ مزیّن مناسب نرخ کے ساتھ تفسیر کی یہ پندرہویں

جلد مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

○

نام کتاب : ماہِ فضل و کمال

ترتیب و تالیف : شاہ ابن مسعود قریشی

صفحات : ۵۰۴

سائز : $\frac{۲۳ \times ۳۶}{۱۶}$

ناشر : القاسم اکادمی ۲۸۵ - جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

قیمت : ۱۷۵/-

حضرت مولانا فضل محمدؒ صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ اپنے دور کے اکابر علماء و مشائخ سے فیض یافتہ تھے۔ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے اور درس و تدریس سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء میں فقیر والی ضلع بہاول نگر میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ یہ مدرسہ آپ کے حسنِ اہتمام و انتظام سے بہت بڑا دارالعلوم بن گیا، جو آج جامعہ قاسم العلوم کی شکل میں آپ کی یادگار کے طور پر موجود اور دین کی نشر و اشاعت میں مصروف ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب "ماہِ فضل و کمال" حضرت مولانا فضل محمد صاحب قدس سرہٗ کی سوانح حیات کا ایک اجمالی نقش ہے جو حضرت کے ایک شاگرد مولانا شاہ ابن مسعود کے قلم کا شاہکار ہے، مرتّب موصوف نے بڑی جامعیت کے ساتھ حضرت کے تمام حالات و واقعات عادات و خصائل، قومی و ملّی، دینی و سیاسی خدمات کو اس کتاب میں سمو دیا ہے اسی کے ساتھ کتاب میں اکابر علماء کے انتہائی قیمتی مکاتیب جو صاحبِ سوانح کے نام ہیں وہ بھی شامل کر دیے ہیں جس سے کتاب کی افادیّت دو چند ہوگئی ہے، لیکن بایں ہمہ کچھ باتیں تشنہ ہیں جن کی وضاحت ضروری ہے۔ اور کچھ چیزیں کتاب میں ایسی شامل ہوگئی ہیں جنھیں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔

(۱) مثال کے طور پر ص: ۹۰ پر آپ کی مختلف اکابر سے بیعت طریقت کا ذکر ہے اور ص: ۱۱۰ پر آپ کے بیعت لینے کا بھی ذکر ہے مگر یہ نہیں ذکر کیا گیا کہ آپ کس بزرگ کے خلیفۂ مجاز ہیں۔

(۲) ص: ۸۷ پر کلمۂ صداقت و اظہارِ حقیقت، کے ذیل میں آپ سے متعلق ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس

ہیں آپ نے مودودی صاحب کے متعلق اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا ہے اور ص: ۴۲۶ پر نصابِ تعلیم سے متعلق مودودی صاحب سے سوال کا جواب بھی درج کیا گیا ہے ان دونوں میں تضاد محسوس ہوتا ہے کیونکہ جن صاحب کے بارے میں مولانا مرحوم کی یہ رائے ہو اُن سے مدرسہ کے نصابِ تعلیم کے بارے میں سوال کرنا عجیب سا لگتا ہے ممکن ہے اس کا دفعیہ کوئی یُوں کرے کہ سوال پہلے کا ہے اور آپ کی رائے بعد کی ہے اس صورت میں کوئی تضاد نہیں رہتا، لیکن اگر یہ مان لیا جائے تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ مولانا مرحوم کی بعد والی رائے پہلے کے لیے ناسخ ہے۔ اس صُورت میں بھی مودودی صاحب کے جواب کا اس کتاب میں شامل ہونا صحیح نہیں لگتا۔

(۳) حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بعض مکاتیب مولانا فضل محمد صاحبؒ کے بالکل ابتدائی دور اور انتہائی نجی حالات سے متعلق ہیں جن سے کوئی علمی استفادہ نہیں ہوتا انہیں کتاب میں شامل نہیں کرنا چاہیے تھا۔

(۴) مرتّب کتاب شاد ابن مسعود صاحب حضرت مولانا اسحاق صاحب رحمہ اللہ کے داماد اور باقاعدہ عالمِ دین ہیں، لیکن اس کتاب کے دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ جدید مصنّفین سے متأثر اور جدید انداز تحریر سے مرعوب ہیں شاید اسی لیے آپ نے کتاب میں صاحبِ سوانح اور ان کے جانشین کی تصویریں چھاپی ہیں ہمیں اس انداز سے قطعاً اتفاق نہیں ہے بلکہ ہمیں یقین ہے کہ صاحبِ سوانح اگر حیات ہوتے تو اس کو ہرگز پسند نہ فرماتے۔

مولانا قاسم صاحب سے ہمارے بڑے اچھے مراسم ہیں آپ ایک مستند عالم دین جامعہ قاسم العلوم کے مہتمم اور نیک سیرت انسان ہیں معلوم نہیں آپ نے یہ کیسے گوارا کرلیا؟ طبقہ علماء کو اس انداز سے پرہیز کرنا چاہیے، ورنہ علماء و عوام میں کیا فرق رہ جائے گا۔

بہرحال کتاب مجموعی طور پر مفید اور مولانا مرحوم کی سوانح کے سلسلہ میں ایک بہتر کاوش ہے جو قیمتی معلومات سے پُر ہے خُوب صورت کتابت و طباعت کے ساتھ مارکیٹ میں دستیاب ہے، البتہ -/۱۷۵ قیمت ایک عام قاری کے لیے ناقابلِ برداشت ہے ہمارا مشورہ ہے کہ قیمت کم کی جائے تاکہ عام قاری بھی اس سے استفادہ کرسکے۔

(ن - ا)